ستمبر ۱۹۹۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مسلح تصادم (۲) : اُحد و اَحزاب

بسلسلہ منہج انقلاب نبویؐ

ڈاکٹر اسرار احمد

قرآن اکیڈمی لاہور کے

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے جاری ہیں

یہ کورس بنیادی طور پر ان احباب کیلئے تشکیل دیا گیا ہے جو اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور بنیادی دینی تعلیم بالخصوص قرآن حکیم کی درست تلاوت اور اس کے مفہوم کو سمجھنے کی خاطر تجوید سیکھنے اور عربی گرامر کی پختہ بنیادوں پر تحصیل کے خواہاں ہوں ـــــ چنانچہ اس میں داخلے کے لئے گریجویشن تک تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ استثنائی حالات میں ایف اے پاس امیدوار کی درخواست پر بھی غور ہو سکتا ہے۔

- انٹرویو 5 ستمبر کو صبح نو بجے ہوں گے' اور
- تدریس کا آغاز 7 ستمبر سے ہو گا۔ ان شاء اللہ
- تفصیلات کے لئے پراسپکٹس طلب کریں۔

(**نوٹ** : جن حضرات نے ابھی تک داخلہ فارم جمع نہ کرائے ہوں وہ براہ راست انٹرویو میں شریک ہو سکتے ہیں)

المعلن :

ناظم قرآن کالج' 191۔ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

فون : 5833637

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۷
شمارہ :	۹
جمادی الاولیٰ	۱۴۱۹ھ
ستمبر	۱۹۹۸ء
فی شمارہ	۱۰/-
سالانہ زر تعاون	۱۰۰/-

ادارہ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر، عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا، یورپ' جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق، الجزائر' مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700-فون : 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور' فون : 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ' مرکزی انجمن' طابع : رشید احمد چودھری' مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال _____ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ منهج انقلاب نبوی ﷺ (۸) _____ ۷

مسلح تصادم : اُحد و احزاب

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار (۷) _____ ۲۹

علامہ محمد صالح المنجد

☆ ایمانیات ثلاثہ _____ ۳۵

اصل حاصل اور باہمی تعلق (۳)

رحمت اللہ بٹر

☆ دعا کی اہمیت و فضیلت _____ ۴۹

کرنل (ر) محمد یونس

☆ فکر عجم (۱۱) _____ ۵۸

ایران میں پارلیمانی انقلاب

ڈاکٹر ابو معاذ

☆ داستان عزیمت _____ ۷۱

امام شاملؒ کا طرز حکومت

اظہار احمد قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

وطن عزیز میں موسم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ سیاسی رُت میں بھی تغیر و تبدل کے آثار نمایاں ہیں۔ تبدیلی کی ہوا میں تیزی اور شدت صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔ بھاری مینڈیٹ خود اپنے ہی بوجھ تلے سسکتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ حکومت جو صرف تین ماہ قبل ۲۸ مئی کے ایٹمی دھماکے کے بعد سیاسی طور پر نہایت مستحکم اور مضبوط و توانا نظر آتی تھی اور جس سے ٹکر لینا خود پاش پاش ہونے کے مترادف سمجھا جاتا تھا' آج سیاسی اعتبار سے شدید ضعف و اضمحلال کا شکار اور عبرت کا نشان بنی ہوئی ہے ـــــ میاں نواز شریف کو برسر اقتدار آئے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ ہی دن ہوئے ہیں۔ گزشتہ سال فروری کے انتخابات میں مسلم لیگ کی بے مثال کامیابی پر ملک بھر میں جشن کا سماں تھا۔ انتخابی میدان میں پیپلز پارٹی کی بدترین شکست پر اہل پاکستان کی ایک عظیم اکثریت نے سکھ کا سانس لیا کہ اس کے سابقہ دور حکومت میں لوٹ مار کے تمام سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گئے تھے اور بے نظیر حکومت کا مزید ملک و قوم پر مسلط رہنا لوگوں کیلئے اعصاب شکن ثابت ہو رہا تھا۔ اس تناظر میں عوام نے کھلے دل کے ساتھ نواز شریف کی حکومت کا خیر مقدم کیا اور لاتعداد نیک اور خوشنما توقعات حکومت سے وابستہ کر لیں۔ میاں نواز شریف نے بھی قومی اسمبلی میں اپنی "بروٹ میجارٹی" پر اکتفا نہیں کی' بلکہ اپنے اقتدار کو مزید استحکام بخشنے اور اسے ناقابل شکست بنانے کیلئے دستورِ پاکستان میں پے بہ پے دو ترامیم کے ذریعے نہ صرف یہ کہ صدر پاکستان کے خصوصی اختیارات جو آٹھویں ترمیم کے نتیجے میں انہیں حاصل تھے' سلب کر کے ان کا وہ ڈنک ہمیشہ کے لئے نکال دیا جو کسی بھی وقت ان کے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتا تھا بلکہ ارکان اسمبلی کے بھی پر کاٹ کر انہیں "ربڑ سٹمپ" بنا دیا۔ اپوزیشن تو اول روز سے نہایت کمزور و ناتواں تھی ہی' لہٰذا میاں نواز شریف بلا شرکت غیرے ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن کر کوس لمن الملک بجانے لگے۔

توقع یہ تھی کہ "عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا" کے مصداق وطن عزیز میں سالہا سال سے جاری سیاسی عدم استحکام کو اب استحکام نصیب ہو جائے گا اور دم توڑتی ہوئی

ملکی معیشت کو سانس لینا نصیب ہو گا اور وہ از سر نو ٹھوس بنیادوں پر استوار کی جا سکے گی۔ عوام کو یہ حسن ظن بھی تھا کہ نئی حکومت مہنگائی کے جن کو واپس بوتل میں بند کرنے اور بڑھتی ہوئی دہشت گردی کو کنٹرول کرنے میں کامیاب ہو جائے گی ـــــ مگر افسوس کہ یہ ساری توقعات نقش بر آب ثابت ہوئیں۔ حکمران طبقے کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی' اہم ملکی امور میں اپوزیشن تو کجا اپنے پارٹی ارکان اور سیاسی حلیفوں سے بھی مشورہ نہ کرنے کی عادت بد' غلط اور نامناسب فیصلوں پر اصرار اور سب سے بڑھ کر اللہ کے دامن کو تھامنے کی بجائے دائیں بائیں سے سہارے تلاش کرنے کی کوشش کے نتیجے میں ہر آنے والا دن نواز شریف حکومت کے لئے عوامی حمایت میں کمی کا پیغام لایا ـــــ گزشتہ ڈیڑھ سال کے دوران متعدد بار موجودہ حکومت کو مختلف اعتبار سے جھٹکے لگے اور وہ عدم استحکام کا شکار ہوئی۔ کبھی آٹے کے بحران کے حوالے سے' کبھی چیف جسٹس کے ساتھ ناروا طور پر سینگ پھنسانے کے نتیجے میں اور کبھی حکومت مخالف سیاسی اتحادوں کی تشکیل اور ان کی ریلیوں کے حوالے سے' لیکن تین ماہ قبل شدید ترین عوامی دباؤ کے مقابلے میں امریکہ کے شدید دباؤ کو مسترد کرتے ہوئے ایٹمی دھماکہ کرنے کا جرأت مندانہ فیصلہ میاں نواز شریف کے لئے سیاسی اعتبار سے نہایت مبارک ثابت ہوا اور ان کا عوامی مقبولیت کا گرتا ہوا گراف یکلخت انتہائی بلندیوں کو چھونے لگا اور موجودہ حکومت ایک بار پھر ایک ناقابل شکست قوت کے روپ میں ابھر کر سامنے آئی ـــــ غور طلب بات یہ ہے کہ پھر تین ماہ کے اندر اندر یہ عوامی حمایت اور مقبولیت عرش سے گر کر فرش تک کیوں آ گئی؟ آج ہر جانب سے نواز شریف سے استعفے کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ قبل ازیں کالا باغ ڈیم کے حوالے سے تینوں چھوٹے صوبے پنجاب اور مرکزی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا اعلان کر چکے ہیں۔ پچھلے دنوں ایم کیو ایم نے حکومت سے علیحدگی کا اعلان کر کے سندھ میں حکومت کو شدید سیاسی ضعف سے دوچار کیا اور اب افغانستان پر کروز میزائلوں کے ذریعے امریکی حملے کے ضمن میں حکومت کے متضاد بیانات کے حوالے سے استعفا کا مطالبہ زور پکڑتا دکھائی دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ ایٹمی دھماکہ کرنے اور امریکی دباؤ کو خاطر میں نہ لانے کی سزا

ہے جو نواز شریف حکومت کو ملی ہے یا یہ کہ بر سر اقتدار طبقے کی اپنی نااہلی، ناقص حکمت عملی اور غلط فیصلوں کا نتیجہ ہے کہ جو اس صورت میں سامنے آیا ہے ـــــ ہم حکومت کی نااہلی اور ناقص حکمت عملی کو خارج از امکان قرار نہیں دیتے، لیکن ہمارے نزدیک اس مخدوش صورتحال کا اصل سبب یہ ہے کہ عالمی دباؤ کو مسترد کرتے ہوئے ایٹمی دھماکے کا فیصلہ کرنا فی الحقیقت عالمی طاقتوں کے سے ٹکر لینے کے مترادف تھا۔ ان قوتوں سے مقابلے کے لئے ضروری تھا کہ حکومت، کائنات کی عظیم ترین طاقت یعنی اللہ کا سہارا اور اس کی نصرت و تائید حاصل کرتی جس کا واحد راستہ یہ تھا کہ ملک سے سودی نظام کے خاتمے کا اعلان اور دستور میں قرآن و سنت کی بالادستی کے لئے ضروری ترمیم کر کے دستورِ پاکستان کو منافقت سے پاک اور صحیح معنوں میں اسلامی دستور بنایا جاتا ـــــ امیر تنظیم اسلامی نے ایٹمی دھماکے کے دو ہی روز بعد جس اخباری اشتہار کے ذریعے میاں نواز شریف صاحب سے "دینی دھماکہ" کرنے کا مطالبہ کیا تھا اس میں دینی دھماکہ کرنے سے گریز کے خوفناک نتیجے اور انجام سے بھی متنبہ کر دیا تھا۔ لیکن افسوس کہ امیر تنظیم اسلامی اور بعض دیگر زعمائے ملت کے بار بار توجہ دلانے کے باوجود حکومت نے اس معاملے میں مسلسل لیت و لعل کی روش جاری رکھی، نتیجہ سب کے سامنے ہے ـــــ اس صورتحال میں میاں نواز شریف کے لئے اصلاح اور بہتری کا واحد راستہ وہی ہے جس کی نشاندہی امیر تنظیم اسلامی بار بار کر چکے ہیں۔ شنید ہے کہ حکومت نے قومی اسمبلی میں قرآن و سنت کی بالادستی کے حوالے سے ترمیمی بل لانے کے لئے سنجیدہ کوشش کا آغاز کر دیا ہے۔ اگرچہ یہ قدم "بعد از خرابی بسیار" اٹھایا جا رہا ہے لیکن ہم ہر حال میں اس کا خیر مقدم کریں گے۔ میاں نواز شریف اگر اب بھی ان اقدامات کے ذریعے اللہ کا دامن تھام لیں تو ان کی دنیا اور آخرت دونوں سنور سکتے ہیں، بصورت دیگر اشخاص کا بر سر اقتدار آنا یا محروم ہونا اتنا اہم نہیں ہوتا، ملک و قوم کا مستقبل زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور پاکستان کا مستقبل بہر طور اسلام کے ساتھ وابستہ ہے!OO

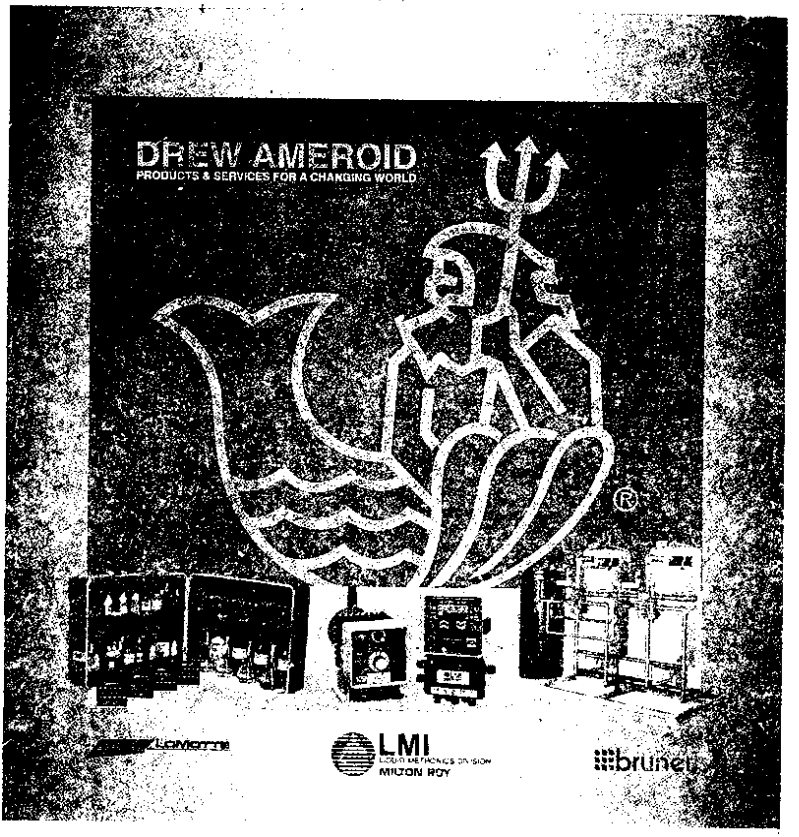

ORIENT WATER SERVICES (PVT) LTD.
THE INDUSTRIAL WATER TREATMENT COMPANY

KARACHI
Tel: 453-3527 453-9535
Fax: 454-9524

LAHORE
Tel: 712-3553 722-5860
Fax: 722-7938

ISLAMABAD
Tel: 273168 277113
Fax: 275133

FAISALABAD
Tel: 634626
Fax: 634922

مسلح تصادم

اُحد ــ و ــ احزاب

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

(مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن)

غزوہ اُحد

غزوۂ بدر رمضان المبارک ۲ھ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ تیرہ ماہ بعد شوال ۳ھ میں مشرکین مکّہ کے ایک لشکر جرار نے مدینہ پر چڑھائی کر دی جو جوش انتقام سے بھرا ہوا تھا۔ اس وقت ان کے سینوں میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ جن حضرات کو قبائلی زندگی کا کچھ تجربہ ہے اور جنہیں عرب کے انتقامی جذبات و احساسات سے کچھ واقفیت ہو اور جنہوں نے ان کی اس دور کی شاعری اور خطبات پڑھے ہوں وہ کچھ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اُس وقت ان کی زندگی کس طور پر اجیرن ہو گئی تھی۔ مکّہ والوں نے غزوۂ بدر کے بعد ایک دن بھی چین و آرام میں نہیں گزارا۔ انتقامی جذبات لاوے کی طرح ہر دل میں کھول رہے تھے۔ ابو سفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مقتولین بدر کا انتقام نہیں لے لیا جائے گا نہ خوشبو لگاؤں گا نہ چارپائی پر سوؤں گا۔ اسی طرح اس ایک سال کے دوران ہندہ کا جو حال رہا ہے وہ بھی ناقابل تصور ہے' جس کا باپ مارا گیا' چچا مارا گیا' بھائی مقتول ہوا۔ یہ ہندہ ابو سفیان کی بیوی' عتبہ کی بیٹی اور حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ' جو سابقون الاولون میں سے ہیں' کی بہن ہیں۔ ہندہ بھی فتح مکّہ کے موقع پر ایمان لے آئی تھیں اور مومنہ صادقہ ثابت ہوئیں۔

قریش کی پیش قدمی اور حضور ﷺ کی مشاورت

بہرحال اب جو لشکر مدینہ پر چڑھ دوڑا تھا وہ تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ قریش اپنی اور اپنے حلیفوں کی جو ممکنہ قوت اور طاقت جمع کر کے لا سکتے تھے وہ لے کر میدان میں آ گئے۔ اس موقع پر بھی نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک مشاورت منعقد فرمائی کہ اس موقع پر کیا حکمت عملی اختیار کیا جائے' جبکہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کرنے آ رہا ہے۔

حضور ﷺ کی ذاتی رائے تھی کہ مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عجیب اتفاق ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی رائے بھی یہی تھی۔ آخر جھوٹا انسان ہر موقع پر تو جھوٹ نہیں بولتا' کبھی وہ سچ بھی بولتا ہے۔ عبداللہ بن ابی مدینہ کا رہنے والا تھا' لہٰذا وہ اپنے حالات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ اس طرح کی صورت حال میں مدینہ والے محصور ہو کر مدافعت کیا کرتے تھے تاکہ مرد گلیوں میں ڈوبدو لڑیں اور عورتیں اوپر سے دشمن پر پتھراؤ کریں۔ اس طرح گویا کہ ان کی دوہری طاقت روبکار آ جاتی تھی۔ چنانچہ انہی مصلحتوں کے پیش نظر عبداللہ بن ابی کی رائے بھی یہ تھی کہ ہمیں کھلے میدان میں جنگ کرنے کے بجائے محصور ہو کر اپنی مدافعت کرنی چاہئے۔ بعض قرائن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا رجحان بھی یہی تھا۔

لیکن ایک تو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات کھلے میدان میں جنگ کرنے کے حامی تھے' جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی نام شامل ہے ـــــ اب یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے تھا کہ اسی جبل اُحد کے دامن میں ان کی شہادت ہونی ہے۔ لہٰذا ان کی طرف سے خصوصی جوش و خروش کا مظاہرہ ہو رہا تھا کہ ہمیں محصور ہو کر نہیں بلکہ مردانہ وار ڈوبدو جنگ کرنی چاہئے' ہمیں تو شہادت درکار ہے ـــــ دوسرے یہ کہ نوجوانوں کی طرف سے بھی یہی مطالبہ تھا' خاص طور پر ان کی طرف سے جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے' کیونکہ غزوۂ بدر کے موقع پر نفیر عام تو تھی ہی نہیں۔ اُس وقت نبی اکرم ﷺ اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم جو نکلے تھے وہ جنگ کے ارادے سے تو نکلے ہی نہیں تھے۔

، تو اندازہ کیجئے کہ جو لوگ اس غزوہ میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے ان کے سینوں میں کتنی حسرت ہوگی کہ وہ کتنی بڑی سعادت سے محروم رہ گئے۔ لہٰذا ان کا جوش و خروش بھی دیدنی تھا کہ کھلے میدان میں جا کر جنگ کرنی چاہئے۔ پھر اس تیرہ ماہ کے عرصہ میں جو لوگ ایمان لائے تھے‘ ان کے ذہنوں میں ہو سکتا ہے یہ بات ہو کہ جب تین سو تیرہ اہل ایمان نے بدر میں اتنی بڑی فتح حاصل کی ہے تو اللہ کی مدد آخر یہاں بھی تو ہمارے شامل حال ہوگی‘ لہٰذا فتح تو ہمیں ہونی ہی ہونی ہے‘ ہم اپنے دامن پر یہ داغ کیوں گوارا کریں کہ ہم نے مَردوں کی طرح کھلے میدان میں جا کر جنگ نہیں کی۔ پس یہ مختلف اسباب تھے جن کی وجہ سے محسوس ہوا کہ زیادہ لوگوں کی خواہش ہے کہ کھلے میدان میں جنگ ہو۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی رائے پر اصرار نہیں فرمایا اور اپنے ساتھیوں کی رائے کے مطابق فیصلہ فرمادیا کہ کھلے میدان ہی میں مقابلہ کیا جائے گا۔ اس طرح جماعتی زندگی کا ایک اہم اصول سامنے آگیا۔ مشورہ اور اس کی اہمیت سامنے آگئی۔ اگرچہ اسلامی نظم جماعت میں فیصلہ کا آخری اختیار امیر کے ہاتھ میں ہوتا ہے‘ وہ اکثریت کی رائے کا پابند نہیں ہوتا‘ لیکن تدبیر کے معاملہ میں اپنے ساتھیوں کی دلجوئی کے لئے اور ان کے اندر ایک باہمی اعتماد کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے امیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ بعض مواقع پر اپنے ساتھیوں کا احترام کرتے ہوئے ان کی رائے کے مطابق فیصلہ دے‘ جیسا کہ حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے سامنے آتا ہے۔ البتہ یہ طرزِ عمل صرف تدبیر کے معاملہ میں اختیار کیا جائے گا۔ ظاہر بات ہے کہ نص میں‘ یعنی ایسے معاملے میں جہاں اللہ اور اس کے رسول کا صریح حکم موجود ہو یہ طرزِ عمل ہرگز اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ تدبیر کے معاملہ میں بھی یہ بات ذہن نشین رہے گی کہ گو تدبیر ہماری ہے لیکن مآل کار تمام معاملات کا اختیار تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے‘ جو وہ چاہے گا نتیجہ اس کے مطابق ظاہر ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ فرمادیا کہ کھلے میدان میں جنگ ہوگی۔ اس کے بعد غیر معمولی واقعہ یہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے۔ جب آپؐ باہر تشریف لائے تو آپؐ نے زرہ زیب تن فرمائی ہوئی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ماتھا ٹھنکا

—— قبل ازیں حضور ﷺ نے خواب بھی دیکھا تھا کہ ایک گائے ذبح ہوئی ہے' اور بھی چند باتیں خواب میں ایسی دیکھی تھیں جن کی بنا پر حضور ﷺ کو اندازہ تھا کہ میدان اُحد میں چند غیر معمولی اور ناخوشگوار واقعات ظہور پذیر ہوں گے۔ حضور ﷺ کو زرہ پہنے دیکھ کر لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں' آپؐ اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کیجئے اور انتظام فرمایئے۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں' یہ فیصلہ برقرار رہے گا۔ نبی کو یہ زیبا نہیں ہے کہ ہتھیار باندھنے کے بعد بغیر جنگ کئے انہیں اتار دے۔

قریباً یہی بات سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۹ میں فرمائی گئی ہے جو گویا حضور ﷺ کے اس طرزِ عمل کی توثیق میں نازل ہوئی —— یہ بات متفق علیہ ہے کہ سورۂ آل عمران کا بیشتر حصہ غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوا ہے —— محولہ بالا آیت میں بالکل وہی نقشہ ہے جس پر حضور ﷺ نے عمل فرمایا تھا۔ گویا جو کام نبی اکرم ﷺ نے اپنے ذاتی اجتہاد سے کئے' بعد میں اللہ کی طرف سے قرآن مجید میں ان کی توثیق آ گئی —— وہ آیت مبارکہ یہ ہے کہ :

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ﴾

"اے نبی (ﷺ)! یہ اللہ تعالیٰ کا آپؐ پر بڑا فضل و کرم اور بڑی رحمت ہے کہ آپؐ اپنے ان ساتھیوں کے حق میں بڑے نرم ہیں (جو ان کی دلجوئی فرماتے ہیں)۔ اگر آپؐ کہیں سخت دل اور تُند خُو ہوتے تو یہ لوگ منتشر ہو گئے ہوتے (آپ کے پاس سے چھٹ گئے ہوتے)"۔ اقبال نے اس مضمون کو بڑی خوبصورتی سے ایک شعر میں سمو دیا ہے کہ ؎

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی!

یہ خوئے دلنوازی جناب محمد رسول اللہ ﷺ میں بتمام و کمال موجود تھی۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اس اسلوب سے فرمائی : ﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ "پس آپ ان کی خطاؤں سے درگزر کیجئے' ان کے لئے استغفار بھی کرتے رہا کیجئے اور ان سے معاملات میں مشورہ بھی لیجئے"۔ ﴿ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ "پس جب آپ فیصلہ کریں تو پھر اللہ پر توکل کیجئے"۔ یعنی پھر فیصلوں کا بار بار بدلنا درست نہیں۔ آیت کا

اختتام ہوتا ہے ان عظیم ترین الفاظ مبارکہ پر : ﴿ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ ○ ﴾ "بلاشبہ اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ جن کو اللہ محبوب قرار دے ان سے خوش بخت و خوش نصیب اور کون ہو سکتا ہے!

اُحد کی جانب کوچ اور منافقین کا طرزِ عمل

نبی اکرم ﷺ نے ایک ہزار کی نفری لے کر مدینہ سے جبل اُحد کی جانب کوچ فرمایا' لیکن راستے ہی میں عبداللہ بن ابی تین سو افراد کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ لے کر چلا گیا کہ جب ہمارے مشورے پر عمل نہیں ہوتا اور ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم ساتھ کیوں دیں اور اپنی جان جوکھوں میں کیوں ڈالیں؟ اب آپ اندازہ کیجئے کہ مدنی دور کے قریباً ڈھائی سال کے اندر اندر جنگ کے قابل مسلمانوں کی کل نفری کا لگ بھگ ایک تہائی حصہ منافقین پر مشتمل ہو چکا تھا۔ معاملہ کی نزاکت کا اندازہ کیجئے کہ جو تین سو واپس چلے گئے ان کے منافق ہونے میں تو کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ ان کے علاوہ کمزور اور ضعف ایمان والے اور بھی تھے۔ یہ جو سات سو افراد رہ گئے تھے' ان میں بھی تھے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ دامن اُحد میں پہنچ کر مدینہ کے دو خاندانوں کے افراد نے کم ہمتی کے باعث واپس لوٹنا چاہا ـــــ سورۂ آل عمران میں اس کا ذکر بھی موجود ہے : ﴿ اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا ﴾ "یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ ڈھیلے پڑ گئے تھے (کمزوری دکھانے والے تھے) لیکن اللہ ان کا مددگار تھا"۔ وہ ان کا پشت پناہ تھا' اس نے ان کو سنبھال لیا اور وہ میدان میں ڈٹے رہے ـــــ چنانچہ یہ دونوں گروہ بعد میں کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو "مِنْکُمْ" قرار دیا ہے۔ یعنی امت محمدؐ یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی میں شامل قرار دیا ہے اور اپنی ذات سبحانہ کو ہمارا ولی' دوست اور پشت پناہ فرمایا ہے ـــــ البتہ اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ ان دو گروہوں میں کمزوری پیدا ہوئی تھی اور ان کی ہمت جواب دینے لگی تھی۔ لیکن تھے وہ بہرحال اصحاب ایمان! جب ہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سنبھال لیا۔ لیکن جو محمد رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر راستہ ہی سے عبداللہ بن ابی کے ساتھ واپس مدینہ چلے گئے' ظاہر ہے ان کے نفاق میں کوئی شک

نہیں ہو سکتا۔ گویا ایک ہزار میں سے تین سو کی نفری منافقین پر مشتمل تھی۔

فوری فتح

بہر حال جنگ شروع ہوئی اور پہلے ہی ہلے میں اللہ کی مدد و نصرت آئی اور بالکل بدر کا سا نقشہ سامنے آ گیا۔ کہاں وہ تین ہزار کا لشکر اور کہاں یہ سات سو افراد! قریش کے ساتھ دو سو گھوڑوں کا رسالہ تھا۔ عرب کے اس دور کے حالات کے اعتبار سے یہ بہت بڑی بات تھی۔ واضح رہے کہ میدان بدر میں ان کے پاس سو گھوڑے تھے اور اہل ایمان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے' ایک حضرت مقداد بن الاسود اور ایک حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کے پاس۔ اسی طرح قریش کے ساتھ سات سو اونٹ تھے جبکہ نبی اکرم ﷺ کے لشکر کے ساتھ ستر تھے۔ اسی کے متعلق حفیظ جالندھری نے شاہنامۂ اسلام کی ایک نظم "بدر کی فریاد" میں بڑے پیارے انداز میں یہ نقشہ کھینچا ہے :

یہ ستر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے
مجاہد بھی وضو کرتے' نہاتے غسل فرماتے

نبی اکرم ﷺ کی جنگی حکمت عملی

اُحد میں قریش کی جو فوج آئی تھی ان کے ساتھ دو سو گھڑ سواروں کا دستہ تھا اور ان پر خالد بن ولید بن مغیرہ سپہ سالار تھے ـــــ نبی اکرم ﷺ نے اُحد پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھا اور اس کے دامن میں صفیں بنوائیں۔ سامنے مشرکین تھے۔ جبل اُحد کے ساتھ ایک دَرہ ایسا تھا کہ اُحد کے پیچھے سے چکر لگا کر اس دَرہ سے گزر کر مسلمانوں کے لشکر پر حملہ ہو سکتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسی اندیشہ کے پیش نظر کہ کہیں اِدھر سے حملہ نہ ہو جائے اور کہیں ہماری پیٹھ میں خنجر گھونپے جانے والا معاملہ نہ ہو جائے' اس دَرہ پر پچاس تیر اندازوں کو حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں تعینات فرمایا۔ حضور ﷺ نے نہایت تاکیدی اسلوب سے فرمایا کہ تم لوگوں کو یہاں سے نہیں ہلنا۔ اگر ہم سب ہلاک ہو جائیں اور تم یہ دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی تم لوگ یہاں سے نہ ہٹنا۔ آپ اس تاکید اور شدت کا اندازہ کیجئے جو اس حکم میں نظر آتی ہے۔

ایک خوفناک غلطی

بہرحال جنگ ہوئی تو پہلے ہلے ہی میں مشرکین کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا شروع کیا۔ چند کفار کا تعاقب کر رہے تھے اور چند مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے تھے۔ ادھر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم درہ پر تعینات تھے ان میں اختلاف رائے ہو گیا۔ ان پچاس تیر اندازوں میں سے اکثر نے کہا کہ چلو ہم بھی چلیں' مال غنیمت جمع کریں' اب تو فتح ہو گئی ہے۔ ان کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہرگز نہیں' حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہاں سے نہ ہلنا' لہٰذا میں کسی کو اجازت نہیں دیتا"۔ لیکن ہوا یہ کہ اکثر نے اپنے کمانڈر کی بات نہ مانی اور اس درے کو چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسی غلطی کے باعث فتح شکست میں بدل گئی۔

یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ اس غلطی کی نوعیت کیا تھی۔ ان حضرات نے جو درے کو چھوڑ گئے اپنے نزدیک غالباً یہ تاویل کی ہو گی کہ حضور ﷺ نے تو شکست کی صورت میں اتنا زور دیا تھا کہ چاہے ہم سب ہلاک ہو جائیں اور تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی تم یہاں سے مت ہٹنا۔ اب تو فتح ہو گئی ہے' لہٰذا اب یہاں سے ہلنے میں کیا ہرج ہے۔ درہ میں متعین سب کے سب مومنین صادقین تھے۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے غلطی خلوص سے بھی ہو جاتی ہے' نیک نیتی سے بھی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا میری تعبیر یہ ہے کہ ان سے تاویل میں غلطی ہوئی ہو گی۔ واللہ اعلم!

نظم کی اہمیت

درہ چھوڑ کر چلے جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اصل غلطی یہ تھی کہ انہوں نے اپنے مقامی امیر کی حکم عدولی کی تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ جو اس دستہ کا امیر ہے وہ تو اجازت نہیں دے رہا۔ چلئے انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے حکم کی تاویل کر لی۔ لیکن یہاں ان کے اور حضور ﷺ کے مابین ایک لوکل کمانڈر موجود ہے جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے امیر مقرر فرمایا ہے ـــــ اس امیر کی تو نافرمانی ہو گئی! ڈسپلن (Discipline) تو بہرحال ٹوٹ گیا! نظم کی اہمیت کے بارے میں بیعت عقبہ ثانیہ کے وہ الفاظ یاد کیجئے جو حضرت عبادہ

بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ اپنی اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ سند کے اعتبار سے حدیث کے صحیح ہونے کا اس سے اونچا کوئی مقام نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے :

((عَنْ عُبَادَةَ بِنِ الصَّامِتِ ﷺ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ، وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَعَلٰى اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ، وَعَلٰى اَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا، لَانَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ))

"حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی کہ ہم حکم سنیں گے اور مانیں گے، خواہ مشکل ہو خواہ آسان، خواہ ہماری طبیعت کو خوش گوار لگے خواہ ناگوار ہو، خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے۔ اور جس کو بھی ہم پر امیر بنادیا جائے گا ہم اس سے جھگڑیں گے نہیں، اور ہم حق بات کہتے رہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں اور اللہ کے معاملہ میں (حق کہنے سے) کسی ملامت گر کی ملامت سے ہرگز نہیں ڈریں گے۔"

ظاہر بات ہے کہ نبی ﷺ ہر جگہ بنفس نفیس تو موجود نہیں ہو سکتے تھے۔ آپؐ کسی مہم پر کسی لشکر کو بھیجتے تھے تو اس کا ایک کمانڈر یا امیر مقرر فرمادیتے۔ اب وہ امیر نبی اکرم ﷺ کا قائم مقام ہے، اور معروف میں سمع و طاعت کے اعتبار سے اس کا حکم بالکل اسی طرح مانا جائے گا جیسے نبی اکرم ﷺ کا حکم مانا جائے گا۔ یہی Army Discipline ہے۔ اس کے لئے حضور ﷺ کی ہدایت بایں الفاظ موجود ہے :

((مَنْ اَطَاعَنِي فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمَنْ اَطَاعَ اَمِيْرِي فَقَدْ اَطَاعَنِي وَمَنْ عَصٰى اَمِيْرِي فَقَدْ عَصَانِي))

اور بعض احادیث میں "امیری" کی جگہ "الامیر" کا لفظ ہے۔ یعنی :

((وَمَنْ يُّطِعِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِي وَمَنْ يَّعْصِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِي))

(بخاری و مسلم)

"جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی

کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے میرے معین کردہ امیر کا کہنا مانا' اس نے میرا کہا مانا اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔

اسلام کا نظم جماعت

اسلامی جماعت کا نظم ملاحظہ ہو کہ پچاس کی نفری میں سے کمانڈر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا اور ایسے چودہ حضرات مزید بھی تھے جنہوں نے اپنے کمانڈر کے حکم کے مطابق جگہ نہیں چھوڑی' لیکن پینتیس افراد وہاں سے چلے گئے۔ سات سو کی نفری میں پینتیس پانچ فی صد ہوتے ہیں' لیکن پانچ فی صد اشخاص کی یہ غلطی جس کو آپ indiscipline کہیں گے' یعنی نظم کو توڑا گیا' اس کی کتنی بڑی سزا ہے جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ اس سے نظم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اقبال نے کہا تھا کہ یہ امت ناقہ بے زمام بن گئی ہے' سمع و طاعت کا نظام کہیں قائم نہیں ہے۔ اور جب نظام ہی نہ ہو تو امت سمع و طاعت اور نظم کی خوگر بنے تو کیسے بنے! ہر شخص انانیت کا شکار ہے! کوئی دوسرے کو امیر مان کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرے! یہ جذبہ سرد پڑ چکا ہے۔

آج ہماری اُمت مسلمہ میں انتشار کی جو انتہا ہے ذرا اس کو سامنے رکھئے اور یہ واقعہ نوٹ کیجئے۔ کیا (معاذ اللہ) اس میں حضور ﷺ کی کوئی غلطی تھی؟ ہرگز نہیں! صرف پینتیس صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کے ایک حکم کی غلط تاویل کر لی تھی' لیکن اپنے کمانڈر کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے یقیناً ڈسپلن توڑ دیا تھا۔ نظم کی خلاف ورزی کی تھی اور موجود الوقت امیر کی نافرمانی کی تھی ـــــ اس کی سزا کیا ملی! یہ کہ خالد بن ولید جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے ان کی عقابی نگاہ نے تاڑ لیا کہ وہ درہ خالی ہے۔ اصل جنگ تو پیدل فوج (Infantry) کی ہوتی تھی' وہ مار کھا چکی تھی۔ بھگدڑ مچ چکی تھی۔ اب انہوں نے اُحد کی پشت کا چکر کاٹا اور دو سو گھڑ سواروں کا دستہ لے کر اس درہ سے مسلمانوں کی پیٹھ سے جو حملہ آور ہوئے تو یکلخت جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ درہ پر صرف پندرہ تیر انداز رہ گئے تھے' ان کے لئے دو سو گھڑ سواروں کو اپنے تیروں کی بوچھاڑ سے یا تلواروں سے روکنا ممکن نہیں تھا۔ پچاس کی نفری برقرار رہتی تو خالد بن ولید کا اپنے دستہ کے ساتھ درہ کو

کراس کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہاں پندرہ کے پندرہ اصحاب رسول ؐ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم!

صورت حال بدل گئی

خالد بن ولید کے اس عقبی حملہ نے مسلمانوں کو سراسیمہ کردیا۔ ان کی صفیں تو پہلے ہی درہم برہم تھیں، کچھ لوگ کفار کا پیچھا کر رہے تھے اور اکثر مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے۔ بھاگنے والے کفار نے جب خالد بن ولید اور ان کے دستہ کے لوگوں کے نعرے سنے تو انہوں نے پلٹ کر زوردار حملہ کردیا۔ اب مسلمان چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ گئے اور فتح شکست سے بدل گئی۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۲ میں اس صورت حال پر تبصرہ موجود ہے :

﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

"(مسلمانو! تم اپنی شکست کا اللہ کو کوئی الزام نہیں دے سکتے) اللہ نے تو (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ پورا کر دکھایا تھا، جبکہ (ابتداء میں) تم اس کے حکم سے اپنے دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ مگر جب تم ڈھیلے پڑے (تم نے کمزوری دکھائی) اور تم نے معاملہ میں اختلاف کیا، اور تم (اپنے امیر کی) حکم عدولی کر بیٹھے، بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھائی (یعنی فتح) جو تمہیں محبوب تھی ـــــ اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے ـــــ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔"

درے پر متعین تیر اندازوں نے اپنے مقامی امیر کی جو حکم عدولی کی تھی تو یہ اصل میں محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی تھی، کیونکہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے پچاس

تیر اندازوں کے دستہ پر امیر اور کمانڈر مقرر کیا تھا۔ لہٰذا نظم کے اعتبار سے کمانڈر کی نافرمانی خود حضورؐ کی نافرمانی ہو گئی۔ بعض مفسرین نے "مَا تُحِبُّوْنَ" سے مراد مال غنیمت کی چاہت لی ہے اور بعض نے سورۃ الصف کی آیت ۱۳ کے اس حصہ سے کہ : ﴿ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ " استدلال کرتے ہوئے وہ فتح مراد لی ہے جو پہلے ہلے میں اہل ایمان کے لشکر کو حاصل ہو گئی تھی۔ میں اس آخرالذکر رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔

حکم عدولی کی سزا

غزوۂ اُحد کی فتح کا شکست میں بدلنا در حقیقت فشل 'تنازع فی الامر اور معصیتِ امیر کے جرم کی پاداش میں اللہ کی طرف سے سزا تھی۔ تصور کیجئے کہ سزا کتنی کڑی تھی کہ سات سو میں سے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ یعنی دس فیصد نفری شہید ہو گئی' حالانکہ خطاء صرف پانچ فی صد کی تھی۔ پھر شہداء میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے کیسے کیسے جان نثار اور کیسے کیسے ہیرے اور موتی تھے جو کیسی کیسی محنت سے جناب محمد ﷺ نے جمع کئے تھے۔ ان ہی میں اَسَدُ اللهِ وَاَسَدُ رَسُوْلِهٖ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں' ان ہی میں المُقرِی یعنی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں کہ جن کی دعوت و تبلیغ اور تعلیم قرآنی سے مدینہ منورہ میں اسلامی انقلاب آیا اور اوس و خزرج کے قبیلوں کے اکثر لوگ دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ مہاجرین و انصار میں سے اڑسٹھ (۶۸) دوسرے مجاہدین فی سبیل اللہ اور جان نثارانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے جام شہادت نوش کیا۔ حضور ﷺ خود بھی مجروح ہوئے' دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ خود کی دو کڑیاں حضور ﷺ کے رخسار مبارک میں اس طور سے گھس گئیں کہ نکالنے کے لئے زور لگایا تو نہیں نکلیں۔ پھر دوسرے اصحابؓ نے بمشکل ان کو نکالا۔ حضور ﷺ پر غشی بھی طاری ہوئی۔ کفار نے ایک موقع پر حضور ﷺ کو نرغے میں لے لیا اور تیروں کی بارش برسائی۔ جان نثاروں نے اپنے جسموں کو حضور ﷺ کے لئے ڈھال بنایا کہ جو تیر آئیں وہ ہمارے سینوں میں ترازو ہوں' محمد ﷺ کے سینہ مبارک تک نہ پہنچیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بڑے ماہر

تیر انداز تھے۔ حضور ﷺ ان کو تیر دیتے اور فرماتے جاتے "سعد تم پر میرے ماں باپ قربان' تیر چلاتے جاؤ" ـــــ صرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہی وہ خوش بخت صحابی ہیں جن کے لئے حضور ﷺ نے یہ محبت بھرا کلمہ ارشاد فرمایا۔

الغرض مسلمانوں کو بڑی کھلی شکست ہوئی۔ افراتفری پھیلی۔ نبی اکرم ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی۔ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ بہرحال ان حالات میں سیرت نگاروں کے سامنے ایک عجیب سا سوال اور مسئلہ آتا ہے کہ اس صورت حال میں قریش واپس کیوں چلے گئے! ایک حدیث شریف کے مطابق انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے مابین ہوتا ہے' وہ اسے جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ اس نے قریش کے دل پھیر دیئے۔ ورنہ وہ اس پوزیشن میں آ گئے تھے کہ اُحد میں موجود تمام مسلمانوں کا صفایا کر دیتے۔ بہرحال بعض ذرائع سے اس کی یہ توجیہہ ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے تھے۔ اگرچہ خالد بن ولید رئیس لشکر ابو سفیان سے اصرار کر رہے تھے کہ ہمیں پہاڑ پر چڑھ کر اس معاملہ کو ختم کر دینا چاہئے' اس قضیہ کو ہمیشہ کے لئے چکا دینا چاہئے' لیکن ابو سفیان بڑے حقیقت پسند' زیرک اور حالات کا بہت صحیح صحیح جائزہ لینے اور ان پر نظر رکھنے والے انسان تھے۔ انہوں نے انکار کر دیا کہ نہیں' اس لئے کہ مسلمان بلندی پر ہیں' وہاں سے تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ ہو گی تو ہمارا بہت جانی نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ بہرحال ہم نے بدلہ لے لیا ہے' یہی بہت ہے۔

نعروں کا تبادلہ

ابو سفیان نے دامن کوہ سے نعرہ لگایا کہ محمد (ﷺ) زندہ ہیں یا فوت ہو گئے؟ حضورؐ خاموش رہے۔ اِدھر سے تین بار اسی نعرے کی تکرار ہوئی۔ تیسرے نعرے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا' انہوں نے نعرہ کا جواب نعرہ سے دیا کہ "اے دشمنِ خدا! رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں"۔ پھر ابو سفیان نے کہا: "دیکھو یہ یومِ بدر کا بدلہ ہے جو آج ہم نے چکا لیا"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا: "تمہارے مقتول جہنم میں ہیں جبکہ ہمارے شہداء جنت میں ہیں"۔ ابو سفیان نے پھر نعرہ لگایا "اعلیٰ ھُبَل"۔ اس موقع پر ہمیں یہ ملتا ہے کہ

مشرکین نے کسی بُت کا نعرہ لگایا۔ یہ دراصل خوشی کا موقع تھا۔ ورنہ جب مشکل کا وقت ہوتا تھا تو مشرکین بھی صرف اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ یہاں تو انہیں فتح ہو گئی تھی اسی لئے ابو سفیان نے نعرہ لگایا "اعلٰی ھُبَل" ۔ حضور ﷺ نے فرمایا جواب دو۔ "اَللّٰہُ اَعَزُّ وَاَجَلُّ" مسلمانوں نے اِدھر سے یہ نعرہ بلند کیا۔ اُدھر سے ابو سفیان پھر پکارا "لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ" (ہمارے لئے تو عزّیٰ ہے جس کا سایہ ہمارے سروں پر ہے' تمہارے لئے کوئی دیوی نہیں ہے)۔ حضور ﷺ نے فرمایا جواب دو "اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ" (اللہ ہمارا مولا ہے' ہمارا پشت پناہ اور مددگار ہے' تمہارا کوئی مولا نہیں)۔ پھر ابو سفیان نے یہ کہہ کر اپنے لشکر کو ساتھ لے کر واپس ہو گئے کہ "اگلے سال یہیں پھر مقابلہ کیلئے ملاقات ہو گی"!

غزوۂ اُحد کی شکست کے اثرات

غزوۂ اُحد کے بعد کے دو سال نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان کے لئے نہایت پریشان کن اور تکلیف دہ رہے ہیں۔ اس لئے کہ اہل عرب پر مسلمانوں کے رعب' ہیبت اور دھاک کی جو فضا بن گئی تھی وہ بہت حد تک ختم ہو گئی۔ اب عین مدینہ کے قریب آ کر قریش جو اتنا بڑا چرکہ لگا گئے تو اس سے ایک تو مسلمانوں کے دل زخمی تھے۔ ان کا حوصلہ (Morale) اب اتنا اونچا نہیں رہا جتنا غزوۂ بدر کے بعد ہو گیا تھا۔ دوسرے گرد و پیش کے مشرکین کے قبائل پر مسلمانوں کی جو دھاک بیٹھ گئی تھی وہ باقی نہیں رہی' بلکہ وہ اسلامی انقلاب کی دعوت و تحریک کے مقابلہ میں دلیر ہو گئے اور ان کی طرف سے مخالفت و مزاحمت کے اندیشے پیدا ہو گئے۔

اللہ کی طرف سے تسلّی و تشفّی

ان تمام ناموافق و نامساعد حالات میں اہل ایمان کی تسلی کے لئے فرمایا گیا: ﴿اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ﴾ مسلمانو! کیوں دل شکستہ ہوتے ہو' اگر تمہیں چرکہ اور زخم لگا ہے تو تمہارے دشمنوں کو بھی ایسا ہی چرکہ اور زخم لگ چکا ہے۔ انہوں نے تو ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ میدان بدر میں اپنے ستر مقتول چھوڑ کر گئے تھے اور ستر قیدی۔ اس کے باوجود وہ تین ہزار کی نفری لے کر مدینہ پر چڑھائی کیلئے آ گئے۔ تم کیوں

ہمت ہار رہے ہو؟ کیوں تنگ دل ہو رہے ہو؟ ﴿ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ﴾ "یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں"۔ گھبراؤ نہیں : ﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ "دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔" یہ تو تمہاری غلطی تھی جس پر غزوۂ اُحد میں تمہیں شکست کی صورت میں سزا دے کر ہم نے تمہیں سبق سکھایا ہے۔ ورنہ یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری پشت پر نہیں ہے، تمہارا مددگار اور حامی نہیں ہے۔ یہ تو ابھی اندرون عرب کا معاملہ ہے، تمہیں تو ابھی قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو تہ و بالا کرنا ہے۔ اگر آج تمہارا نظم اور ڈسپلن ڈھیلا رہا تو آئندہ کیا ہو گا۔ لہٰذا سبق سکھانا ضروری تھا۔ تمہارے اندر اس کے بغیر نظم کی اہمیت کا احساس کہاں سے آتا! اگر اللہ چاہتا تو اس خطا کو نظر انداز (Condone) کر دیتا۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ وہ ایسا کر سکتا تھا کہ تمہاری اس خطا کے باوجود تمہیں فتح دے دیتا۔ لیکن اس طرح تمہاری اس موقع کی کمزوری اور غلطی کی اصلاح نہ ہوتی، بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوتا۔ لہٰذا ایک وقتی سی شکست کی صورت میں ہم نے تمہیں متنبہ کر دیا کہ اپنی صفوں (Ranks) کا جائزہ لے لو، جہاں جہاں کمزوریاں ہیں انہیں دور کرنے کی فکر کرو، اپنی جمعیت کو اور مضبوط کرو، جو نئے نئے لوگ مشرف بایمان ہوئے ہیں ان کی تربیت کی کمی کو دور کرو تاکہ یہ بھی اسی طرح کندن بن جائیں جیسے مکّہ سے آئے ہوئے مہاجرین اور السابقون الاولون انصار ـــــ تمام اہل ایمان کو نظم کی پابندی کا خوگر بناؤ۔ تم یہ سب کچھ کر لو تو تم سے استخلاف اور تمکّن فی الارض کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پختہ وعدہ ہے :

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ﴾ (النور : ۵۵)

غزوۂ احزاب

غزوۂ اُحد کے بعد کے دو سالوں کے عرصہ میں تشویش اور خوف کی حالت رہی، جو

غزوۂ خندق کے موقعہ پر اپنے نقطۂ عروج (Climax) کو پہنچی۔

رمضان المبارک ۲ھ میں غزوۂ بدر ہوا۔ پھر شوال ۳ھ میں معرکۂ اُحد پیش آیا۔ ذیقعدہ ۵ھ میں یعنی دو سال اور ایک ماہ بعد اب قریش اور دیگر قبائل جن میں یہود بھی شامل تھے متحد ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ عرب میں اس سے پہلے کبھی اتنا بڑا لشکر جمع نہیں ہوا تھا۔ بارہ ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کے لئے جمع ہو گیا۔ جنوب سے قریش آ گئے۔ مشرقی جانب سے کئی قبائل آ گئے جن میں بنو فزارہ اور بنو غطفان بھی تھے جو نجد کے علاقے کے بڑے جنگ جُو اور خونخوار قبیلے تھے۔ شمال سے وہ یہودی قبائل حملہ آور ہو گئے جو خیبر میں آباد تھے۔ اس طرح ان قبائل نے مدینہ کو گھیرے میں لے لیا۔ اس کا نقشہ سورۃ الاحزاب میں کھینچا گیا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں غزوۂ احزاب کا ذکر پورے دو رکوعوں پر پھیلا ہوا ہے۔

مدینہ پر یلغار کا نقشہ

کفار و مشرکین کی ہمہ جہت یلغار اور کمزور ایمان والوں اور منافقین کے خوف و بے اطمینانی کا نقشہ سورۃ الاحزاب میں بایں الفاظ کھینچا گیا ہے : ﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ﴾ "یاد کرو جب لشکر آ گئے تھے تم پر تمہارے اوپر سے بھی اور تمہارے نیچے سے بھی" ـــــ چونکہ مدینہ سے مشرق کی طرف اونچائی ہوتی چلی جاتی ہے' اسی لئے اس علاقہ کو نجد کہتے ہیں' جس کے معنی ہیں اونچائی والا علاقہ۔ لہٰذا جو مشرق سے آئے ان کے لئے "مِنْ فَوْقِكُمْ" کے الفاظ آئے ـــــ اور مغربی ساحل کی طرف ڈھلان اور اترائی ہے۔ چنانچہ قریش اور ان کے حلیف مغرب یعنی نیچائی اور اتار کے راستہ سے آئے۔ لہٰذا ان کے لئے "مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ" فرمایا گیا۔ مزید برآں مدینہ کے شمال مغرب کی جانب سے یہودی قبائل جمع ہو کر آ گئے تھے ـــــ اس کٹھن موقع پر منافقین اور کمزور ایمان والوں کی کیفیت اسی آیت میں آگے ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ : ﴿ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ ﴾ "اور یاد کرو جب آنکھیں (وحشت و حیرت سے) پھرنے لگیں اور (خوف و ہراس سے) دلوں کا یہ حال

تھا کہ وہ گویا گلوں میں آ نکلے ہیں اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے" ـــــ یہ تبصرہ ہے اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے اس امتحان پر جو غزوۂ احزاب کی صورت میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا تھا ـــــ راقم کی رائے ہے کہ ذاتی طور پر نبی اکرم ﷺ پر سب سے سخت دن "یوم طائف" گزرا ہے اور مسلمانوں پر بحیثیت جماعت سب سے سخت اور شدید ایام غزوۂ احزاب کے گزرے ہیں۔

غزوۂ اُحد کے موقع پر تین سو افراد تو بطورِ منافقین منظرعام پر آچکے تھے۔ اب غزوۂ احزاب تک ان کی تعداد کتنی ہوگی' واللہ اعلم۔ بہرحال قرآن مجید سے اندازہ ہوتا ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر ان کی معتدبہ تعداد موجود تھی۔ ان کے دل ہمارے محاورہ کے مطابق بلیوں اچھل رہے تھے اور ان کو ہر چہار طرف موت نظر آرہی تھی۔ اور بظاہر احوال بچنے کی کوئی شکل سامنے نہیں تھی۔

میں جب بھی غزوۂ احزاب کا ذکر کرتا ہوں تو جناب نعیم صدیقی کا یہ شعر بے ساختہ یاد آجاتا ہے ؎

اے آندھیو سنبھل کے چلو اس دیار میں
امید کے چراغ جلائے ہوئے ہیں ہم!

ہدایت کا ایک چراغ تھا جو مدینہ میں روشن تھا اور اس کو بجھانے کے لئے اتنی بڑی بڑی آندھیاں آرہی تھیں کہ الامان والحفیظ!

منافقین کی کیفیت

امتحان یقیناً شدید تھا۔ نتیجتاً منافقین کے دلوں میں جو خبث' نجاست اور گندگی تھی' وہ اس ابتلاء و آزمائش کو دیکھ کر ان کی زبانوں پر آگئی' جس کا ذکر قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کیا ہے : ﴿ وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ﴾ "اور جب کہنے لگے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سب فریب تھا ـــــ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو دھوکا دے کر مروا دیا گیا۔ ہم سے تو کہا گیا تھا کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں

تمہارے قدموں میں ہوں گی' جبکہ اس وقت حالات یہ ہیں کہ ہم رفع حاجت کے لئے بھی باہر نہیں جا سکتے۔ کھانے کو کچھ نہیں۔ ہمارے باغات حملہ آوروں نے اجاڑ دیئے۔ چاروں طرف سے محاصرہ ہے' اندر کوئی چیز نہیں ہے۔ فاقوں پر فاقے آ رہے ہیں۔ غضب کی سردی نے الگ زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ منافقین کی یہ وہ باتیں ہیں جو ان کے دلوں سے اچھل کر زبانوں پر آ گئیں۔ ان باتوں کا تذکرہ سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور کتب احادیث میں ملتا ہے۔

اہلِ ایمان کی کیفیات

ادھر مؤمنین صادقین کی کیفیت کیا تھی؟ ملاحظہ ہو : ﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ "اور حقیقی مومنین کا اُس وقت حال یہ تھا کہ جب انہوں نے دشمنوں کے لشکروں کو دیکھا تو وہ پکار اٹھے کہ یہی تو وہ بات ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا' اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی بات بالکل سچی تھی"۔

یہ کون سا وعدہ ہے جس کی طرف یہ صادق القول مومنین اشارہ کر رہے ہیں؟ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش و امتحان اور ابتلاء کے وعدوں کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ العنکبوت کی آیات ۲۔۳ میں فرمایا :

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ○ ﴾ (العنکبوت : ۲۔۳)

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں!"

سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۵ میں فرمایا :

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۱۵۵)

"اور ہم البتہ تم کو خوف و خطر اور بھوک اور مال و جان اور فصلوں کی تباہی میں مبتلا کر کے تمہارا امتحان لیں گے' جو ان حالات میں صبر کریں تو ان کو (اے نبیؐ) بشارت دے دیجئے۔"

چنانچہ غزوۂ احزاب کے مصائب کو دیکھ کر مومنین صادقین کے ذہن ان پیشگی تنبیہات کی طرف منتقل ہو گئے اور ان کی زبانوں پر فی الفور آ گیا : ﴿ هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﴾

خندق کی تیاری کا عجیب نقشہ

غزوۂ احزاب میں کفار و مشرکین کے لشکروں کا محاصرہ خاصا طول پکڑ گیا اور اس دوران اہل مدینہ پر بڑے ہی سخت قسم کے حالات پیش آئے۔ جب خندق کھودی جا رہی تھی تو نبی اکرم ﷺ بھی اس کام میں بنفس نفیس شریک تھے اور پتھر اٹھا اٹھا کر خندق سے باہر پھینک رہے تھے۔ چونکہ ان دنوں شدید قحط کا عالم تھا لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے پیٹوں پر چادروں کے ساتھ کس کر پتھر باندھ رکھے تھے تاکہ کمریں دوہری نہ ہو جائیں۔ اس لئے کہ شدید بھوک کی وجہ سے معدہ تشنج میں آتا ہے۔ تو دراصل یہ اس معدے کو بہلانے کی ایک شکل ہے کہ اگر اس پر بھاری بوجھ باندھ دیا جائے تو اس کو وہ بھوک کا تشنج (Hunger Pain) نہیں ہو گا۔ اس موقع پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کرتے اٹھا کر اپنے پیٹ دکھائے اور عرض کیا کہ حضور ﷺ اب فاقہ ناقابل برداشت ہو رہا ہے' ہم نے اسی لئے پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے ہیں۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے اپنا کرتہ اُٹھا کر دکھایا تو وہاں دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

یہ دراصل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مشورہ تھا کہ مدینہ منورہ کے دفاع کے لئے خندق کھودی جائے۔ عرب تو جانتے ہی نہیں تھے کہ خندق کس بلا کا نام ہے۔ پرانی جنگوں میں دفاع کے جو طریقے اختیار کئے جاتے تھے ان میں شہر پناہ کے گرداگرد خندق

کھودنے کا رواج بھی تھا۔ اہل ایران دفاع کے اس طریقہ سے بخوبی واقف تھے۔ ایران اور روم کی تو کئی سو سال سے جنگ چل رہی تھی۔ تاریخ دونوں کے مابین جھولا جھول رہی تھی۔ کبھی رومی ایران کے دارالسلطنت مدائن تک چڑھ دوڑتے تھے تو کبھی ایرانی ان کو ایشیائے کوچک میں دھکیل دیتے تھے۔ جب مدینہ میں خبر پہنچی کہ تین اطراف سے کفار و مشرکین کا بارہ ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کے لئے چلا آرہا ہے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ کو پشت پر رکھتے ہوئے خندق کھودی جائے تاکہ خندق کی وجہ سے دشمن براہ راست مدینہ پر یورش نہ کر سکیں۔ چنانچہ خندق کھودنے کا کام تیزی سے شروع ہوگیا۔ یہ سخت سردی کا موسم تھا۔

روایات میں خندق کی کھدائی کے وقت دو اشعار کا ذکر ملتا ہے۔ محبتِ الٰہی میں سرشار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے سالارِ اعظم جناب محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی کھدائی کے لئے اس سنگلاخ زمین پر جرأتِ مومنانہ اور ہمتِ مردانہ کے ساتھ کدالیں چلا رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرب لگاتے ہوئے کورس کے انداز میں کہتے جاتے تھے :

"اَللّٰھُمَّ لَاعَیْشَ اِلَّاعَیْشُ الْاٰخِرَۃِ" اے اللہ آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے' آخرت کا عیش ہی اصل عیش ہے۔ گویا ان کے نزدیک اس وقت کی کلفتیں' تکالیف اور مصائب ہیچ ہیں' انہیں تو آخرت کی فوز و فلاح چاہئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دے رہے تھے : "فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ" اے اللہ! پس تو بخشش فرمادے ان انصار و مہاجرین کی!

دوسرا شعر جس کا تذکرہ روایات میں ملتا ہے وہ نظم جماعت کی اساس و بنیاد بیعت کے ضمن میں بہت اہم ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ترانہ کے انداز میں کدالوں کی ضرب کے ساتھ یہ شعر پڑھا کرتے تھے :

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوا مُحَمَّداً

عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَداً!

"ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جہاد کی بیعت کی ہے۔ اب یہ جہاد اس وقت تک جاری رہے گا جس وقت تک جان میں جان ہے۔"

جسم و جان کا تعلق منقطع ہو جائے تو بات دوسری ہے۔ جب تک یہ تعلق باقی ہے جہاد جاری رہے گا۔ یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کی وہ شان جس کی بنیاد بیعت ہے۔

نصرتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی مدد اور نصرت و تائید سے اہل ایمان کو اس نرغہ اور محاصرہ سے نجات دلائی جو نیں دن تک جاری رہا تھا۔ ایک شب بہت زبردست آندھی آئی جس سے کفار و مشرکین کے لشکر تلپٹ ہو گئے۔ اکثر خیمے اکھڑ کر آندھی کے ساتھ تتر بتر ہو گئے۔ بڑے بڑے چولہوں پر جو بڑی بڑی دیگیں چڑھی ہوئی تھیں' وہ الٹ گئیں۔ ان چولہوں کی وجہ سے ان کے خیموں میں آگ لگ گئی۔ یوں سمجھئے کہ یہ ایک غیبی تدبیر تھی جس سے ان کے حوصلے اس درجہ پست ہو گئے کہ صبح تک تمام لشکر منتشر ہو چکا تھا۔ تمام قبائل اپنے اپنے علاقوں کی طرف کوچ کر گئے ـــــ اسی کا ذکر ہے سورۃ الاحزاب کی آیت ۹ میں :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ ﴾ (الاحزاب : ۹)

"اے اہل ایمان! اللہ کا احسان یاد کرو جو تم پر ہوا' جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے ان پر بھیج دی ہوا (آندھی) اور (فرشتوں کی) وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں۔ اور اللہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھنے والا ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے چند اور تدابیر بھی اختیار فرمائی تھیں' لیکن ان کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اس غزوۂ احزاب کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کو اہل ایمان کا امتحان لینا اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دینا مقصود تھا' تاکہ نظر آجائے کہ کون کتنے پانی میں ہے! سب جان لیں کہ کون ان میں سے منافق ہیں اور کون وہ ہیں جو کڑی سے کڑی آزمائش اور سخت سے سخت امتحان میں بھی ثابت قدم رہ سکتے ہیں!! ـــــ جب یہ امتحان ہو گیا تو مدمقابل دشمنوں کے لئے ایک آندھی اور فرشتوں کا ایک

لشکر کافی تھا۔ کفار و مشرکین کا بارہ ہزار کا لشکر اللہ کی قدرت کے مقابلہ میں تو پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ بارہ ہزار کیا بارہ لاکھ کا لشکر بھی ہوتا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ایک آندھی نے معاملہ تلپٹ اور تتر بتر کر دیا اور کفار و مشرکین جو ایک زبردست جمعیت کی شکل میں بڑے ارمانوں اور بڑی تیاریوں کے ساتھ دُور دراز کا سفر کر کے ہدایت کے چراغ کو بجھانے آئے تھے ایک ہی رات میں منتشر ہو گئے۔ معاملہ ختم ہو گیا اور صبح صادق سے قبل ہی ہر ایک نے اپنی اپنی راہ پکڑی۔ صبح مسلمانوں نے دیکھا تو میدان خالی تھا۔

نبی اکرم ﷺ کا تاریخی ارشاد

اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے جو تاریخی الفاظ ارشاد فرمائے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو کتنی دُور رَس نگاہ اور کتنی بصیرت و فراست عطا فرمائی تھی۔ کسی انقلابی رہنما کے لئے یہ وصف (Quality) اشد ضروری ہے کہ وہ حالات پر صحیح صحیح نگاہ رکھے ـــــ چند اصولوں کو جان لینا اور ان کو بیان کرتے چلے جانا ہی سب کچھ نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی صلاحیت اور نگاہ دور رس کی بھی شدید ضرورت ہوتی ہے کہ حالات کی نبض پر بھی ٹھیک ٹھیک ہاتھ ہو۔ صحیح اندازہ ہو کہ حالات کا رُخ کیا ہے' وہ کدھر جا رہے ہیں! صحیح صحیح تشخیص (Assessment) ہو کہ ہم کتنے پانی میں ہیں اور ہمارا دشمن کتنے پانی میں ہے! اس کی طاقت کیا ہے! اس کے اور ہمارے اثرات کا تناسب کیا ہے! ظاہر بات ہے کہ ایک انقلابی عمل میں ان سب امور پر گہری نگاہ رکھنی ناگزیر ہے۔ اگر صرف ایک خانقاہ ہے تو اور اس میں لوگوں کی تربیت کرنی ہے تو اس کے لئے بھی ایک خاص صلاحیت درکار ہے۔ لیکن اس میں ان چیزوں پر نگاہ ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح ایک دارالعلوم ہے' جہاں درس دینا ہے' قرآن پڑھانا ہے' حدیث و فقہ پڑھانی ہے تو ان کاموں کے لئے ایک خاص صلاحیت کی ضرورت ہے' مگر وہاں بھی مذکورہ بالا امور پر نظر ہونی ضروری نہیں ہے ـــــ لیکن انقلابی عمل میں اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ اس امر پر نگاہ ہو کہ انقلابی دعوت اور تحریک کو

مختلف مراحل سے گزار کر کامیابی تک کیسے پہنچا دیا جائے! ۔ یہ شے دگر ہے۔ اس کے لئے اور قسم کی صلاحیتیں چاہئیں۔ اس کی ایک عظیم مثال ہے جو غزوۂ احزاب کے متصلاً بعد سیرت مطہرہ میں نظر آتی ہے۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر' جس کا دوسرا نام غزوۂ خندق بھی ہے' اگرچہ قریش بارہ ہزار کا لشکر لے آئے تھے' اور عرب کی حد تک اُس وقت تک کی تاریخ میں اتنا بڑا لشکر پہلی بار جمع ہوا تھا' لیکن اب جو یہ لشکر منتشر ہوا اور بھیڑ چھٹی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان الفاظ میں خوش خبری سنا دی کہ : ((لَنْ تَغْزُوَكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّكُمْ تَغْزُونَهُمْ)) "اس سال کے بعد اب قریش تم پر حملہ آور نہیں ہو سکتے بلکہ اب تم ان پر چڑھائی کرو گے"۔ میرے نزدیک سورۃ الصف بھی اسی موقع پر نازل ہوئی ہے جس میں یہ آیت مبارکہ موجود ہے : ﴿ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ "اور (اے مسلمانو!) ایک دوسری چیز جو تمہیں محبوب ہے' یعنی اللہ کی مدد' تو وہ آیا ہی چاہتی ہے اور اب فتح دور نہیں ہے (تمہارے قدموں کو چومنے والی ہے) اور اے نبیؐ! اہل ایمان کو بشارت سنا دیجئے" ـــــ نبی اکرم ﷺ نے جو یہ الفاظ فرمائے کہ : ((لَنْ تَغْزُوَكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّكُمْ تَغْزُونَهُمْ)) تو راقم کے نزدیک یہ الفاظ حضور ﷺ نے سورۃ الصف کے اس حکم ﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ کے امتثال امر میں فرمائے تھے۔ واللہ اعلم!

نبی اکرم ﷺ کو بخوبی اندازہ تھا کہ قریش نے کتنی محنتوں اور کوششوں سے اس عظیم لشکر کی تیاری کی ہوگی اور اپنے حلیف قبائل کو اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کیا ہوگا۔ بنو غطفان' بنو فزارہ اور خیبر کے یہود کے قبائل کو آمادہ کرنے کے لئے کتنی سفارتیں بھیجی ہوں گی' کتنی خط و کتابت کی ہوگی اور اس کام کے لئے پیامبری کے سلسلہ میں کتنے سوار دوڑائے ہوں گے ـــــ یہ سارے پاپڑ بیل کر قریش نے اتنی طاقت جمع کی تھی اور اسے لے کر وہ مدینہ پر چڑھ دوڑے تھے' لیکن نتیجہ کیا نکلا! یہ کہ بے نیل و مرام واپس جانا پڑا' ساری محنتیں اور کوششیں اکارت گئیں۔ اتنی بڑی جمعیت ـــــ لیکن قدرت الٰہی کے سامنے

(باقی صفحہ ۵۷ پر)

غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار(۷)

تالیف : علامہ محمد صالح المنجد' مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

یہاں ایک اشکال پیش آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب قاتل سلب کا مستحق تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کا حق کیوں روک لیا؟

امام نوویؒ نے اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں۔

۱) ممکن ہے نبی اکرم ﷺ نے بعد میں قاتل کو مقتول کا سامان (سلب) دلوا دیا ہو۔ اس کو سلب دلوانے میں تاخیر کا مقصد اسے اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کو تنبیہہ کرنا تھا' کیونکہ انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں نامناسب الفاظ استعمال کئے اور اس طرح لشکر کے قائد اور انہیں قائد مقرر کرنے والے کے احترام کے منافی رویہ اختیار کیا۔

۲) ممکن ہے سلب کے مالک نے اپنی خوشی اور اختیار سے اپنا وہ حق چھوڑ دیا ہو' اور اسے عام مسلمانوں کا حق قرار دے دیا ہو۔ اس کا مقصد حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی دل شکنی کا ازالہ تھا' اور اس میں مصلحت یہ تھی کہ لوگوں کے دلوں میں امیروں کا احترام قائم رہے۔

جس شخص کے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کیا گیا ہو' اس کا مقام بحال کرنے کی ایک اور مثال مسند احمد کی یہ حدیث ہے جو حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا اور انہیں سلام کہا' انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ جب وہ آگے گزر گیا تو اہل مجلس میں سے ایک شخص بولا: "اللہ کی قسم! میں تو اس (گزرنے والے) آدمی سے اللہ کے لئے نفرت کرتا ہوں"۔ اہل مجلس نے کہا: "اللہ کی قسم! تو نے بہت بری بات کہی۔ ہم ضرور اسے بتائیں گے" (اس کے بعد انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو کہا) "اے فلاں! اٹھ کر اسے بتا"۔ ان کے بھیجے ہوئے آدمی نے اس سے مل کر اسے یہ بات بتائی۔ وہ شخص وہیں سے واپس ہو کر جناب رسول اللہ ﷺ کی

خدمت میں پہنچ گیا اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! میں مسلمانوں کی ایک مجلس کے پاس سے گزرا' ان میں فلاں شخص بھی موجود تھا' میں نے انہیں سلام کیا' انہوں نے جواب دیا۔ جب میں آگے گزر گیا' تو ان میں سے ایک آدمی نے مجھ تک پہنچ کر مجھے بتایا کہ فلاں نے کہا ہے: اللہ کی قسم! میں اس آدمی سے اللہ کے لئے نفرت کرتا ہوں۔ اسے بلا کر دریافت کیجئے وہ مجھ سے کس بنیاد پر بغض رکھتا ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور اس سے وہ بات دریافت کی جو اس شخص نے بتائی تھی۔ اُس نے اعتراف کیا اور کہا "اللہ کے رسول! میں نے واقعی یہ بات کہی ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تو اس سے کیوں بغض رکھتا ہے"۔ اُس نے کہا: "میں اس کا ہمسایہ ہوں اور اس سے خوب واقف ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے اسے اس (فرض) نماز کے سوا کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا' جو ہر نیک و بد پڑھتا ہی ہے"۔ اُس آدمی نے کہا: "اے اللہ کے رسول! اس سے دریافت کیجئے کیا میں نے کبھی نماز وقت سے تاخیر کر کے پڑھی ہے؟ یا کبھی بری طرح سے وضو کیا ہے؟ یا نماز کے رکوع سجود صحیح انداز سے ادا نہیں کیے؟" رسول اللہ ﷺ نے اس (شکایت کرنے والے) سے پوچھا تو اُس نے کہا: "جی نہیں"۔ پھر کہا: "اللہ کی قسم! یہ مہینہ (رمضان) جس میں نیک و بد سب روزے رکھتے ہیں' اس کے علاوہ میں نے اسے کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا"۔ اُس نے کہا "یا رسول اللہ! کیا اس نے کبھی دیکھا ہے کہ میں نے رمضان میں روزہ چھوڑا ہو؟ یا اس کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کی ہو؟" رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تو اُس نے کہا: "جی نہیں"۔ پھر کہا: "اللہ کی قسم! میں نے اسے کبھی کسی سائل کو کچھ دیتے نہیں دیکھا' نہ کسی نیکی کے کام میں فی سبیل اللہ خرچ کرتے دیکھا ہے' سوائے اس زکوٰۃ کے جو ہر نیک و بد ادا کرتا ہے"۔ اُس نے کہا: "یا رسول اللہ! اس سے پوچھئے کیا میں نے زکوٰۃ میں سے کبھی کوئی چیز چھپائی ہے؟ یا اس کی ادائیگی میں لیت و لعل کی ہے؟" رسول اللہ ﷺ نے اس سے یہ بات پوچھی تو اُس نے کہا: "جی نہیں"۔ پھر آنحضرت ﷺ نے شکایت کرنے والے سے فرمایا: "جاؤ' کیا معلوم وہ تم سے بہتر ہو۔"(۸۲)

یہ بات بہت اہم ہے کہ غلطی کرنے والا جب اپنی غلطی سے رجوع کر کے توبہ کر لے تو پھر اس کے مقام و مرتبہ کا مناسب لحاظ رکھا جائے' تاکہ وہ راہ راست پر قائم رہ کر

لوگوں کے ساتھ حسب معمول زندگی گزار سکے۔ وہ مخزومی خاتون جس کا ہاتھ چوری کے جرم میں کاٹ دیا گیا تھا' اس کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا ہے: "بعد میں وہ خاتون اچھے انداز سے تائب ہو گئیں اور انہوں نے شادی کر لی۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھیں' تو انہیں جو کام ہوتا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیا کرتی تھی۔"(۸۳)

۲۱) مشترکہ غلطی میں فریقین کو تنبیہہ کرنا:

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ غلطی میں دونوں فریق شریک ہوتے ہیں' اور جس شخص کے حق میں غلطی ہوئی ہوتی ہے خود وہ بھی غلطی پر ہوتا ہے' اگرچہ ایک فریق کی غلطی دوسرے سے زیادہ ہو۔ اس صورت میں غلطی سے تعلق رکھنے والے دونوں فریقوں کو تنبیہہ یا نصیحت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال درج ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "خالد! جنگ بدر میں شریک ہونے والے ایک آدمی کو تکلیف نہ پہنچاؤ' اگر آپ اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دیں تو اس کے عمل (کے برابر ثواب) کو نہیں پہنچ سکتے"۔ انہوں نے عرض کیا: "لوگ مجھے نامناسب باتیں کہہ دیتے ہیں' تو میں بھی جواب دے دیتا ہوں"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "خالد کو تکلیف نہ پہنچاؤ' وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو اُس نے کافروں پر مسلط کر دی ہے۔"(۸۴)

۲۲) غلطی کرنے والے سے متأثرہ فریق سے معذرت کا مطالبہ کرنا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: عرب لوگ سفر میں ایک دوسرے کی خدمت کیا کرتے تھے۔ (ایک سفر میں) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک آدمی تھا' جو اُن کی خدمت کرتا تھا۔ (ایک بار ایسا ہوا کہ) وہ دونوں سو گئے' جب جاگے تو اس شخص نے ابھی ان کے لئے کھانا تیار نہیں کیا تھا۔ ان حضرات میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "یہ شخص بہت سوتا ہے"۔ پھر اسے جگایا اور کہا: "جناب

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنا: ابو بکر اور عمر سلام عرض کرتے ہیں اور سالن مانگ رہے ہیں"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ان دونوں کو سلام کہنا اور انہیں بتانا کہ وہ سالن کھا تو چکے ہیں"۔ (جب انہیں یہ پیغام ملا تو) وہ فوراً گھبرائے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کی خدمت میں سالن کے لئے آدمی بھیجا تو آپ نے ارشاد فرمایا: وہ سالن کھا چکے ہیں' ہم نے کون سا سالن کھالیا ہے؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے' اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' مجھے تمہارے دانتوں میں اس کا گوشت نظر آرہا ہے۔" (یعنی جس کی غیبت کی تھی' اس کا گوشت دانتوں میں لگا ہوا ہے۔) ان دونوں نے عرض کیا: "ہمارے لئے مغفرت کی دعا فرمایئے"۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وہی تمہارے لئے بخشش کی دعا کرے۔"(۸۵)

(۲۳) غلطی کرنے والے کو متاثرہ فریق کی فضیلت یاد دلانا' تاکہ وہ نادم ہو کر معذرت کرلے:

جب حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہو گئی تھی' تو نبی اکرم ﷺ نے ایسے ہی کیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "صحیح" کی "کتاب التفسیر" میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' انہوں نے فرمایا: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ بات چیت ہو رہی تھی کہ (کسی بات کی وجہ سے) عمر رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئے' اور غصے کی حالت میں ان کے پاس سے چلے آئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے پیچھے آئے اور ان سے درخواست کی کہ ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کریں' انہوں نے یہ بات نہ مانی' بلکہ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم بھی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے (انہیں دیکھتے ہی) فرمادیا: "تمہارے اس ساتھی کا تو (کسی سے) جھگڑا ہو گیا ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے طرز عمل پر ندامت محسوس ہوئی' وہ آئے اور سلام کر کے نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور

جناب رسول اللہ ﷺ کو پوری بات بتائی۔ آنحضرت ﷺ کو غصہ آگیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہنا شروع کر دیا: "یا رسول اللہ! بخدا' میری ہی زیادہ غلطی تھی"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم لوگ میرا لحاظ کر کے میرے ساتھی کو نہیں چھوڑ سکتے؟ کیا تم لوگ میرا لحاظ کر کے میرے ساتھی کو نہیں چھوڑ سکتے؟ میں نے کہا: لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغام رساں بن کر آیا ہوں۔ (اُس وقت) تم سب نے کہا: آپ غلط کہتے ہیں اور ابو بکر نے کہا: آپ نے سچ فرمایا"۔ (۸۶)

صحیح بخاری ہی میں کتاب المناقب میں بھی یہ واقعہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آگئے' انہوں نے اپنے کپڑے کا کنارہ پکڑا ہوا تھا حتیٰ کہ ان کا گھٹنا ظاہر ہو رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "تمہارے ساتھی کا جھگڑا ہو گیا ہے"۔ (اتنے میں وہ حضور ﷺ تک آپہنچے) انہوں نے سلام کیا۔ اور کہا: "میرے اور ابن خطاب کے درمیان کچھ بات چیت ہو گئی' میں جلد بازی میں انہیں کچھ کہہ بیٹھا' پھر مجھے ندامت ہوئی' میں نے انہیں کہا کہ مجھے معاف کر دیں' انہوں نے انکار کر دیا' تب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں"۔ اللہ کے رسول ﷺ نے تین بار فرمایا: "ابو بکر! اللہ تیری مغفرت فرمائے"۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ندامت محسوس ہوئی' وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور پوچھا: "یہاں ابو بکر ہیں؟" گھر والوں نے کہا: "جی نہیں"۔ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے حتیٰ کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ڈر گئے۔ انہوں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دوبارہ کہا: "یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میری غلطی زیادہ تھی"۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا۔ تم لوگوں نے کہا: آپ غلط کہتے ہیں۔ ابو بکر نے کہا: حضورؐ سچے ہیں۔ اُس نے اپنی جان اور مال کے ساتھ میری دلجوئی کی۔ تو کیا تم میرے لئے میرے ساتھی سے درگزر کر سکتے ہو؟" آپؐ نے دوبار یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد کبھی کسی نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دل نہیں دکھایا۔" (۸۷)

حواشی

(۷۵) یعنی حضرت خالد بن ذکوان، جنہیں حضرت ربیع رضی اللہ عنہا یہ واقعہ سنا رہی تھیں۔

(۷۶) فتح الباری، حدیث ۵۱۴۷

(۷۷) امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ سنن ترمذی، حدیث ۱۰۹۰

(۷۸) سنن ابن ماجہ، طبع عبدالباقی، حدیث ۱۸۷۹۔ صحیح سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۵۳۹

(۷۹) سنن ترمذی، حدیث ۲۷۳۸ (۸۰) صحیح مسلم مع شرح نووی، ۱۲/ ۶۴

(۸۱) الفتح الربانی کی ترتیب مسند الامام احمد، ۱۴/ ۸۴

(۸۲) مسند احمد ۵/ ۴۵۵۔ ہیثمی نے فرمایا: اس کے راوی ثقہ ہیں (مجمع ۱/ ۲۹۱)

(۸۳) صحیح مسلم، حدیث ۱۶۸۸

(۸۴) معجم کبیر طبرانی، حدیث ۳۸۰۱۔ ہیثمی نے فرمایا: اس کے راوی ثقہ ہیں (مجمع ۹/ ۳۴۹)۔

(۸۵) سلسلہ احادیث صحیحہ، حدیث ۲۶۰۸۔ انہوں نے خرائطی کی مساوی الاخلاق اور ضیاء کی المختارہ کا حوالہ دیا ہے۔ نیز تفسیر ابن کثیر، سورۃ الحجرات ۷/ ۳۶۳، طبع دار الشعب

(۸۶) فتح الباری: ۳۶۴۰ (۸۷) فتح الباری: ۳۶۶۱

علاج کے لئے مالی امداد کی استدعا

اسرہ بیروٹ عباسیاں (آزاد کشمیر) کے رفیق تنظیم برادرم شبیر صاحب کے بھائی سروسز ہسپتال لاہور میں زیر علاج ہیں، جو کہ گردے کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔ ان کی مالی حالت ایسی نہیں کہ اپنے بھائی کا علاج کروائیں۔ گردہ خریدنے کے لئے کم از کم ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ گردہ کی قیمت کے علاوہ مزید علاج کے لئے بھی اخراجات کی ضرورت ہوگی۔ اہل ثروت اور مخیر حضرات سے استدعا ہے کہ درج ذیل پتے پر ان سے رابطہ کریں:

بشیر احمد ولد محمد صدیق یو رالوجی، وارڈ بیڈ نمبر ۶ سروسز ہسپتال لاہور فون: 7588351

عبدالرحیم افتخار

نقیب اُسرہ بیروٹ عباسیاں حلقہ آزاد کشمیر

ایمانیاتِ ثلاثہ

اصل حاصل اور باہمی تعلق

رحمت اللہ بٹر' ناظم تربیت

(گزشتہ سے پیوستہ)

۳) ایمان بالمعاد (ایمان بالآخرۃ)

یہ وہ ایمان ہے جو انسان کے عمل پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ آخرت کا ماننا وہی قابل قبول ہے جو اُن تفاصیل کے ساتھ مانا جائے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔ یہی وہ ایمان ہے جو انسان کی مدہوشی کو دور کرتا ہے اور اسے اپنے کردار و اعمال کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس لئے انبیاء و رُسل کی دعوت کا آغاز اسی ایمان سے ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا : ﴿ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ ﴾ "اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے' اٹھو اور (لوگوں کو محاسبۂ اخروی سے) خبردار کرو!" اگر یہ ایمان صحیح نہ ہو تو پھر ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت صرف علم الکلام اور نعت خوانی تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور بات ٹیبل ٹاک سے آگے نہیں بڑھتی۔ یہی حقیقت ہے کہ جس کو قرآن مجید نے صرف تین آیات میں بیان کر دیا ہے۔ سورۃ العلق میں فرمایا :

﴿ کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی○ اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی○ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی○ ﴾

"ہرگز نہیں' انسان سرکشی پر اتر آتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے (حالانکہ) پلٹنا تیرے رب ہی کی طرف ہے"۔

انسان جب دیکھتا ہے کہ اس کے اخلاقی اعمال کا اس دُنیا میں کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا اور اس کی کوئی پکڑ نہیں ہو رہی تو وہ اپنی حدود سے باہر نکل جاتا ہے۔ چنانچہ ظلم کرتا ہے'

دوسروں کا مال ہڑپ کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ اسے اپنی حدود میں پابند کرنے والی ایک ہی بات ہے کہ اسے یقین دلایا جائے کہ اس کی پیشی اس کے مالک کے سامنے ہونے والی ہے جہاں اسے اپنا حساب خود پیش کرنا ہو گا اور اسے اپنے کئے کی جزاء و سزا مل کر رہے گی۔ جب اللہ کے سامنے پیش ہونے کے تصور میں کجی آتی ہے یا یہ گمان کرلیا جاتا ہے کہ کوئی پیشی نہیں ہے تو انسان مادر پدر آزاد ہو کر دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے اور اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔

قرآن مجید میں ایسے انسانوں کی مختلف اقسام کا ذکر ہوا ہے جو یا تو آخرت کے انکاری ہیں اور اسی وجہ سے بے خوف ہو کر گناہ و زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں' یا پھر کچھ ایسے لوگوں کا بھی ذکر ہے جو آخرت کو مانتے تو ہیں لیکن بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے محاسبہ نہیں ہو گا کیونکہ ان کی ایک خاص حیثیت ہے یا وہ کسی پہلو سے خاص سلوک کے مستحق ہیں۔ اور نتیجتاً ان کا آخرت کو ماننا بھی انکار ہی کے مترادف ہو جاتا ہے' اس لئے کہ وہ ماننا ان کے سیرت و کردار پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ سورۃ القیامہ کی پہلی دو آیات میں منکرین آخرت کے نظریات کی تردید فرما کر اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ قیامت واقعی اور شدنی ہے اور وہاں نیکی و بدی کا بدلہ بھی لازماً مل کر رہے گا۔ چنانچہ فرمایا : ﴿ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ۝ ﴾ "نہیں' میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی!" آیت مبارکہ کے آغاز میں وارد ہونے والے حرف "لَا" میں تین قسم کے لوگوں کے خیالات کا ابطال ہے' جو سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں ہو گی۔

۱) قرآن مجید نے بعض لوگوں کا نظریہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

﴿ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ ﴾ (الجاثیہ : ۲۴)

"یہ لوگ کہتے ہیں : نہیں ہے ہماری زندگی مگر صرف دُنیا کی اور ہم (یہیں) جیتے اور مرتے ہیں اور گردش زمانہ کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو (کوئی اور ہستی زندگی دینے والی اور موت طاری کرنے والی نہیں کہ جس کے سامنے پیش ہونا ہو)۔ درحقیقت ان کو اس کا کچھ علم نہیں' بلکہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں

کرتے ہیں"۔

۲) دوسرا گروہ یہ کہتا تھا کہ دوبارہ اٹھایا جانا اور زندہ کر دینا محال ہے جبکہ ہمارا گوشت گل سڑ جائے گا اور ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل جائیں گی۔ ان کا نظریہ ان الفاظ میں بیان ہوا :

﴿ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُخْرَجُوْنَ○ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ○ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ○ ﴾ (المومنون : ۳۵-۳۷)

"کیا یہ (نبی) تمہیں یہ اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور بس ہڈیاں رہ جائیں گی تو اس وقت تم کو (زمین سے) نکال لیا جائے گا۔ بعید بالکل بعید ہے یہ بات جس کا تمہیں وعدہ دیا جا رہا ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دُنیا کی زندگی ہے' اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں' اور ہم ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے"۔

یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے :

﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ○ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ○ ﴾ (الماعون : ۱-۳)

"بھلا آپ نے دیکھا اُس شخص کو جو جزاء و سزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کے لئے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا"۔

واقعہ یہ ہے کہ جب اسے جزاء و سزا کا یقین ہی نہیں ہے تو کیوں نہ کمزور کے مال سے فائدہ اٹھائے؟ اور وہ کیوں کسی کو کھانا کھلائے یا کھلانے کے لئے کہے؟ ایسا شخص تو بیوقوف کہلائے گا کہ جہاں سے وہ مال لے سکتا ہو نہ لے اور اپنی آسائش کا سامان مہیا نہ کرے۔ وہ بھلا ایثار کیوں کرے جبکہ اسے ستائش کی کوئی امید ہی نہیں ہے۔

۳) منکرین آخرت کا تیسرا گروہ مترفین کا ہے یعنی صاحب ثروت' صاحب اقتدار' مال و دولت والے' جاگیردار اور سرمایہ دار وغیرہ۔ ان کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ

كٰفِرُوْنَ ○ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ ﴾
(سبا : ۳۴، ۳۵)

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اُس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں"۔

سورۂ حم السجدہ (آیت ۵۰) میں اس گروہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا :

﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهُ لَلْحُسْنٰى ﴾

"(انسان کی ناشکری کا عالم یہ ہے کہ) اگر ہم اس کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں اس تکلیف کے بعد جو اسے آئی ہو تو کہہ اٹھتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا' اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی' اور اگر (بفرض محال) میں واقعی اپنے مالک کی طرف لوٹا دیا گیا تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہے (میں وہاں بھی مزے کروں گا)"۔

یہ لوگ دُنیا کو اتنا پائیدار مانتے ہیں کہ انہیں اس کے ختم ہونے کا گمان تک نہیں ہوتا۔ ان کے دماغوں میں دوسرا خناس یہ سما جاتا ہے کہ دُنیا میں مجھے جو مال و دولت سے نوازا گیا ہے تو یہ میری قابلیت اور صلاحیت کی وجہ سے ہے اور یہ میرا استحقاق ہے۔ بالفرض اگر آخرت ہوئی بھی تو وہاں اس دُنیا سے بھی بڑھ کر بھلائیاں میری منتظر ہوں گی اور وہاں مجھے بہت کچھ ملے گا' اس لئے کہ میں بڑا باصلاحیت اور خوش قسمت شخص ہوں۔

اس فکری غلطی کو سورۂ کہف میں دو آدمیوں کی مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے جو دوست تھے۔ ان میں سے ایک کو اللہ نے دو باغ دے رکھے تھے اور دوسرے کے پاس دُنیا کا مال و متاع نہ تھا۔ غریب دوست نے باغ والے کو یاد دلایا کہ اللہ نے تم پر اس قدر احسان کیا ہے تو تم اس کے شکر گزار بنو' تم پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں وہ ادا کرو اور آخرت کے محاسبے کو سامنے رکھو۔ دوسرا شخص مال و متاعِ دُنیا پا کر اللہ اور آخرت کو فراموش کر چکا تھا۔ چنانچہ اس کا روگ اس کی زبان پر آگیا' جب وہ مکالمہ کرتے ہوئے

اس کے باغ میں پہنچ گئے :

﴿ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا○ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا○ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا○ ﴾ (الکھف : ۳۴-۳۶)

"پس اس نے اپنے (ناصح) ساتھی سے کہا کہ میں مال و دولت میں بھی تجھ سے بڑھ کر ہوں اور نفری کے اعتبار سے بھی تجھ سے طاقتور جتھہ اور جماعت رکھتا ہوں۔ پھر وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا کہ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو گا' اور نہ یہ توقع کرتا ہوں کہ قیامت کبھی برپا ہو گی۔ تاہم اگر میں کبھی اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی گیا تو وہاں ضرور اس سے بھی اچھی جگہ پاؤں گا"۔

حالانکہ اس دُنیا کے مال و متاع کی اصل حیثیت یہ ہے کہ یہ آزمائش کے لئے ہے۔ اور اسی آزمائش کے لئے اللہ نے یہ اونچ نیچ پیدا کی ہے' تاکہ وہ پرکھ لے کہ کون شکر ادا کرنے والا ہے اور کون ناشکرا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا :

﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ○ ﴾ (الزخرف : ۳۲)

"ہم نے ان کے درمیان سامان زندگی بانٹا ہے اس دُنیا کی زندگی میں' اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر برتری دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکیں' اور آپ کے رب کی رحمت (قرآن مجید) بدرجہا بہتر ہے اُس (مال و متاع) سے جو یہ جمع کر رہے ہیں"۔

سورۃ القیامہ کی دوسری آیت کے طرزِ استدلال میں بھی انسانوں کے تین قسم کے گروہوں کے خیالات کی نفی کی گئی ہے۔ ان میں وہ بھی ہیں جو قیامت کو مانتے تو ہیں لیکن انہوں نے روزِ جزاء کے بارے میں ایسے نظریات گھڑ لئے ہیں کہ بالفعل محاسبۂ اُخروی کا

تصور کالعدم قرار پاتا ہے یا انہیں یہ دھوکہ ہو گیا ہے کہ ان سے باز پرس نہیں ہو گی اور وہ تو بس بخش دیئے جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا گیا ﴿ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴾ "نہیں! (تمہارے خیالات درست نہیں ہیں) میں تو قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی" جو تمہیں ہر وقت احساس دلاتا ہے کہ نیکی نیکی ہے اور برائی برائی ہے' لہٰذا ان کو ایک جیسا خیال نہیں کیا جا سکتا' بلکہ نیکی کا اچھا اور بدی کا برا نتیجہ نکل کر رہے گا۔

محاسبۂ اخروی کے انکار کی بنیادیں

ا) نسلی امتیاز : بعض انسانوں کو یہ زعم ہے کہ چونکہ وہ کسی خاص نسل سے تعلق رکھتے ہیں' انبیاء و رُسل یا اولیاء اللہ کی اولاد سے ہیں' اس لئے ان سے باز پرس نہیں ہو گی اور انہیں بخش دیا جائے گا۔ ان میں سرفہرست تو یہود ہیں لیکن اُمت مسلمہ میں بھی ایسے افراد کی کمی نہیں۔ قرآن مجید میں یہود کا قول نقل ہوا ہے : ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ "ہم تو اللہ کے بیٹوں کی مانند ہیں اور اس کے چہیتے"۔ اس لئے کہ ہم انبیاء و رُسل کی اولاد ہیں اور ہزاروں نبی ہماری نسل سے آئے ہیں۔ چنانچہ ﴿ سَيُغْفَرُ لَنَا ﴾ "ہمیں تو بخش ہی دیا جائے گا"۔ یا ﴿ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ﴾ "ہمیں تو آگ نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن"۔ اور وہ بھی ہمارے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ بڑوں سے جو نافرمانی ہو گئی تھی اس کی پاداش میں شاید بنی اسرائیل کو چند دن عذاب دے دیا جائے ـــــ حالانکہ جن کی اولاد ہونے کی بنا پر انہیں یہ مغالطہ لاحق ہوا ہے انہوں نے تو ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "امام الناس" کا اعزاز بخشا تو آپؑ نے التجاء کی : ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ﴾ "اور میری ذریت کے لئے بھی یہی وعدہ ہے؟" تو جواب ملا تھا : ﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ "میرا وعدہ ظلم کرنے والوں کے لئے نہیں ہے"۔ قرآن حکیم میں یہودیوں کے مذکورہ بالا دعویٰ کے جواب میں فرمایا گیا ﴿ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ﴾ "پوچھئے پھر کیوں اللہ تعالیٰ تمہیں (دُنیا میں) عذاب دیتا ہے تمہارے گناہوں پر' بلکہ تم بھی انسان ہو ان (انسانوں) میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے"۔ دیکھا جائے تو اگر اس بنیاد پر جزاء و سزا نہ ہونے کا معاملہ ہو تو پھر تو پوری نوع

انسانی ہی آخر پیغمبر کی اولاد ہے' لہٰذا اللہ کی چہیتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا انسانوں سے تعلق اور تقرب ان کے رنگ و نسل کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ان کی ذمہ داریوں اور سیرت و کردار کے اعلیٰ ہونے سے ہے' جیسے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا گیا :

﴿ قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾

"اے اہل کتاب! تم کسی بنیاد پر نہیں ہو (یعنی تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے) جب تک تم تورات اور انجیل کو قائم نہیں کرتے اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے"۔

۲) شفاعت باطلہ : بعض لوگ یہی کافی سمجھتے ہیں کہ چونکہ وہ کسی رسول یا نبی کی اُمت میں پیدا ہو گئے ہیں اور ان کے ماننے والے ہیں لہٰذا وہ نبی یا رسول ان کو بخشوا لیں گے یا ان سے نسبت کی وجہ سے انہیں بخش دیا جائے گا۔ اس معاملے میں سب سے بڑے مغالطے میں تو عیسائی ہیں کہ جنہوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے اور وہ سولی چڑھ کر اپنے ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ دے گئے' لہٰذا اب ان کے ماننے والے سب بخشے ہوئے ہیں۔

اُمت مسلمہ میں بھی شفاعت باطلہ کا یہی تصور در آیا ہے' اور وہ یہ ہے کہ انبیاء و رُسل اور اولیاء اللہ کو اختیار ہو گا کہ جسے چاہیں گے بخشوا لیں گے' حالانکہ قرآن مجید میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ شفاعت کا سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے :

﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا' لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ' ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾

"فرما دیجئے: ساری شفاعت کا اختیار اللہ کا ہے' اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے' پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے اختیار سے یہ حق عطا کر دے' لیکن قرآن مجید کی رو سے یہ اختیار دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ جیسے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا :

﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴾

"اُس روز (کسی کی) سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جس کو اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو سننا پسند کرے"۔

یعنی جن کے لئے وہ راضی ہو گا ان ہی کے لئے کوئی شخص اس کے اذن سے شفاعت کر سکے گا' کیونکہ وہی جانتا ہے کہ کون اس کا مستحق ہے۔

﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ ﴾

"وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم پر احاطہ نہیں کر سکتے"۔

قرآن مجید میں جہاں بھی سفارش کا اثبات ہے کہ اُس کے اذن سے شفاعت ہو گی وہاں اللہ کے علم کا لازماً ذکر ہے' تاکہ سفارش کا جو تصور انسانوں کے ذہن میں ہے اس کا مغالطہ نہ رہے۔ دُنیا میں اگر کسی کی جائز سفارش بھی کی جاتی ہے تو وہ اس شخص کی بے علمی کی بنیاد پر کی جاتی ہے جس کے پاس سفارش کی جائے۔ مثلاً کسی کے پاس کسی کی ملازمت کے لئے جائز سفارش کریں تو یہی کہا جاتا ہے کہ بھائی! جس صلاحیت کا آدمی آپ کو درکار ہے وہ تمام خوبیاں اس آدمی میں موجود ہیں' آپ اسے نہیں جانتے' میں بخوبی جانتا ہوں' اس لئے آپ سے سفارش کر رہا ہوں کہ اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیں' یہ اس کا استحقاق رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی جج کے پاس کسی کی بے گناہی کی سفارش ہو تو وہ بھی اسی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جج صاحب! آپ جائے وقوعہ پر موجود نہ تھے' میں وہاں موجود تھا اور میں جانتا ہوں کہ یہ شخص بے گناہ ہے' لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش مان لیجئے۔ لیکن آخرت میں ایسی کسی سفارش کی گنجائش نہ ہو گی کیونکہ جس کے حضور شفاعت پیش کرنی ہے وہ خود تمام انسانوں کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔

دُنیا میں ایک سفارش تعلقات کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے۔ انسان رشتہ داری اور دوستی جیسے تعلقات کی بنا پر بعض لوگوں کی بات کو ٹال نہیں سکتا۔ درحقیقت اس کے پیچھے اصل طاقت انسان کی احتیاج ہی ہوتی ہے کہ اسے دُنیا میں انہی لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنا ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے کام لینا ہوتا ہے' اس لئے اسے بعض لوگوں کی دلجوئی کی خاطر یا ان کا دباؤ قبول کرتے ہوئے سفارش ماننی پڑتی ہے۔ لیکن جان لیجئے اللہ تعالیٰ ان

تمام احتیاجات سے پاک ہے جن کے بارے میں انسانی ذہن سوچ سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے دوست بھی ہیں' اس کے حبیب بھی ہیں اور خلیل و کلیم بھی ہیں' لیکن اس کی دوستی کسی احتیاج کی بنیاد پر نہیں ہے کہ اگر ان کی بات نہ مانی تو وہ آڑے وقت میں اس کے کام نہ آئیں گے یا اگر وہ ناراض ہو گئے تو اُسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کی شان یہ ہے :

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا ○ ﴾

"کہہ دیجئے کل شکر اور تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے کسی کو اولاد نہیں بنایا اور نہ ہی اس کی بادشاہت میں اس کا کوئی ساجھی ہے اور نہ اس کا کوئی دوست کسی کمزوری کی بنا پر ہے۔ اس کی کبریائی کو مانو جیسے وہ (خود) بڑا ہے"۔

قرآن مجید شفاعت باطلہ کے اس تصور کی کلی نفی کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے دو مرتبہ فرمایا گیا :

﴿ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ○ ﴾

"اس دن سے اپنا بچاؤ کر لو جب کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے فدیہ قبول ہو گا اور نہ اس کو (اپنے اختیار سے) کوئی سفارش ہی فائدہ دے گی اور نہ انہیں کوئی اور مدد مل سکے گی"۔

پھر اس اُمت کو مخاطب کر کے بھی یہی بات فرمائی گئی :

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْکٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ﴾

"اے ایمان والو! خرچ کرو اس میں سے جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے (مال' صلاحیت و مہلت عمر) اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس دن نہ کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی' نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔ اور (اس دن کو اس طور پر) نہ ماننے والے ہی دراصل ظالم ہیں"۔

یعنی جو اس دن کو اس طور پر سامنے رکھ کر زندگی نہیں گزارے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ وہ کسی سہارے کی بنیاد پر عمل میں تو کوتاہی کرے گا لیکن وہ سہارا اس دن اسے نہ مل سکے گا۔ اور یہی بات ہے جو نبی اکرم ﷺ نے اپنی اُمت کو ان الفاظ میں فرمادی :

((كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى)) قِيْلَ وَمَنْ يَّاْبٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : ((مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى))

"میرے سب اُمتی جنت میں داخل ہوں گے سوائے ان کے جو (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کردیں گے"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: "اے اللہ کے رسول ﷺ بھلا (جنت میں جانے سے) کون انکار کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا: (میری اُمت میں سے) جو کوئی میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خود (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کردیا"۔

۳) **اللہ کی شان کریمی کے حوالے سے خود فریبی کا شکار ہونا** : کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ بہت رحیم و کریم ہے' وہ بڑا نکتہ نواز ہے' لہٰذا وہ تو بس بخش ہی دے گا۔ ہمارے ہاں آج کل قوال حضرات یہی نکتے بیان کر کے لوگوں کو بے عمل بنا رہے ہیں اور انہیں دھوکہ دے رہے ہیں کہ اللہ بہت کریم ہے' رحیم ہے وہ تو بس بخشنے کے لئے بہانے ڈھونڈے گا' اس لئے جو جی چاہے کرو' وہ بخش ہی دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ صبح اٹھ کر نہ تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں' بلکہ صبح سویرے ایک قوالی سن لیتے ہیں اور پھر سارا دن اسی نشے میں مست گزار دیتے ہیں۔ یہی وہ تصور ہے جس کا ذکر سورۃ الانفطار میں کیا گیا ہے :

* ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۝ وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝ ﴾

"اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے اس کریم رب کے بارے میں دھوکے میں رکھا' جس نے تجھے پیدا کیا' تیرے اعضاء درست کئے' تجھ کو (مناسب) اعتدال پر بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترتیب دیا؟ ہرگز نہیں' بلکہ (اصل مرض یہ ہے کہ) تم جزاء و سزا کو جھٹلانا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگران مقرر ہیں' لکھنے والے معزز (فرشتے)' وہ جانتے ہیں جو تم کر رہے ہو۔ (اور وہ یہ ریکارڈ اس لئے بنا رہے ہیں کہ) بیشک نیکو کار نعمتوں والی جنت میں جائیں گے اور بدکار جہنم میں جائیں گے اور پھر اُس سے غائب نہ ہو پائیں گے۔ آپ کو کیا خبر کہ وہ جزاء و سزا کا دن کیسا ہو گا؟ اور پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ یوم الدین کیسا ہے؟ وہ دن ایسا ہو گا جس میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے بارے میں کوئی اختیار نہیں رکھے گا' اور اس دن تمام تر اختیار اللہ ہی کا ہو گا"۔

حقیقت یہ ہے کہ نیک اور بد ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ اور کراماً کاتبین نے جو اعمال نامے تیار کر رکھے ہیں وہ اس لئے کہ ان کی بنیاد پر نیکو کاروں کو جزاء ملے اور بدکاروں کو سزا۔ اور اس پر خود تمہارا نفس لوّامہ گواہ ہے۔

حقیقت حال

قرآن مجید قیامت کے بارے میں جو مثبت تصور اجاگر کرتا ہے اور جس پر یقین کرنا ہی ایمان کا تقاضا ہے' وہ یہ ہے :

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾

"اے ایمان والو! اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو اور چاہئے کہ ہر نفس اس پر نظر رکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے' اور دیکھو واقعی اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو' بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے"۔

یعنی جب تم مان چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے' قرآن مجید تمہاری ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے اور وہ یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور قیامت کا دن جزاء و سزا کا دن ہو گا تو تمہیں اللہ کی نافرمانی چھوڑ دینی چاہئے اور تمہیں

ہر وقت اس چیز کا فکر دامن گیر رہنا چاہئے کہ میں نے اپنی اس زندگی کے لئے آگے کیا بھیجا ہے؟ کیونکہ وہاں ہر انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اُس نے آگے بھیجا ہو گا' اور اس کے بارے میں وہ ہستی خوب باخبر ہے جس کے سامنے پیشی ہے اور جس نے جزاء و سزا کا فیصلہ فرمانا ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو سورۃ القیامہ میں بھی ان الفاظ میں بیان کیا گیا : ﴿ يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴾ "اس دن آگاہ کر دیا جائے گا ہر انسان کو کہ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا"۔ اور سورۃ النّبا میں فرمایا گیا : ﴿ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ﴾ "ہم نے تم کو عنقریب آنے والے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے' جس دن ہر انسان دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے آگے کیا بھیجا تھا' اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا"۔ اس لئے کہ اس نے آگے کچھ بھیجا نہیں ہو گا اور وہ اسی پاداش میں پکڑ لیا جائے گا۔ پھر اسی حقیقت کو سورۃ النازعات میں مزید واضح فرما دیا گیا :

﴿ فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَى يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَى وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ يَرَى فَأَمَّا مَنْ طَغَى وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى ﴾

"اور جس وقت آ جائے گی وہ بڑی آفت' اس دن انسان یاد کرے گا کہ اس نے کیا بھاگ دوڑ کی تھی۔ اور جہنم ہر دیکھنے والے کے سامنے رکھ دی جائے گی۔ پس جس نے سرکشی کی ہو گی (اپنے حقوق سے بڑھ کر لیا ہو گا اور اپنی حدود سے آگے بڑھ گیا ہو گا) اور دُنیا کی زندگی کو ترجیح دی ہو گی پس جہنم اس کا ٹھکانہ ہو گا۔ اور جو ڈر گیا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اور اس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے رکھا' پس اس کا ٹھکانہ جنت ہو گا"۔

یہی وہ دن ہے جس دن وہ انسان پکار اٹھے گا جس نے اس دن کو سامنے رکھ کر زندگی نہ گزاری ہو گی ﴿ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴾ "کہے گا: اے کاش میں نے کچھ آگے بھیجا

ہوتا اپنے زندگی کے لئے"۔ یعنی اس دن معلوم ہو جائے گا کہ اصل زندگی تو یہ ہے۔

ہماری اس دُنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کا معاملہ ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ہمیں سعودی عرب یا امارات کا ویزا مل جائے۔ تو جسے بھی ویزا ملتا ہے ایک مدت معین تک کے لئے ملتا ہے۔ وہ آدمی وہاں جاکر کماتا بہت ہے لیکن خرچ کم سے کم کرتا ہے' اور اپنی ساری بچت وہاں بھیجتا ہے جہاں سے آیا ہے۔ حالانکہ اس کی محنت وہاں صرف ہو رہی ہے جہاں وہ آیا ہوا ہے' لیکن وہاں وہ پاؤں پسارنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اسے یقین ہے کہ یہاں میں ایک مدت معین تک کے لئے آیا ہوں اور مجھے مستقل طور پر وہیں رہنا ہے جہاں سے میں آیا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنی ساری بچت اپنے وطن بھیج کر وہاں گھر بنواتا ہے' پراپرٹی خریدتا ہے اور بچت جمع کرتا ہے۔ تو یہی تصور ہے جو قرآن مجید ہمیں دیتا ہے کہ تمام لوگ اس دُنیا میں ایک معین مدت کے لئے ویزے دے کر بھیجے گئے ہیں اور انہیں مستقل طور پر رہنا وہیں ہے جہاں سے یہ گئے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی فوت ہو جائے تو ہم یہی حقیقت یہ کہتے ہوئے تسلیم کرتے ہیں: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ "بیشک ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور بیشک اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں"۔ اور پھر تمام لوگوں کو وہی کچھ ملے گا جو انہوں نے اس دُنیا کی زندگی میں بچت کر کے آگے بھیجا ہو گا۔ اور جو شخص اس دُنیا میں آکر اس حقیقت کو بھول جائے کہ میں یہاں ویزا پر آیا ہوا ہوں اور اسی کو اپنا وطن سمجھ لے' اسی زندگی کو اصل زندگی سمجھ لے اور تمام عمر اسی زندگی کو سنوارنے کے لئے لگا دے تو قرآن حکیم ایسے شخص کو ناکام ترین شخص قرار دیتا ہے۔ اس کا ذکر سورۂ کہف کے آخری رکوع کی آیات میں کیا گیا ہے' جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اس سورت کی پہلی دس آیات اور آخری رکوع کی آیات کو حفظ کرے گا تو وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔ فرمایا:

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآءُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝

"کہہ دو کہ کیا ہم تمہیں آگاہ کریں کہ کمائی کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے کون لوگ ہیں؟ (انہوں نے بھرپور زندگی گزاری ہو گی' دُنیا کمانے کے لئے دن رات ایک کر دیا ہو گا) وہ لوگ کہ جن کی ساری بھاگ دوڑ اسی دُنیا کی زندگی میں گم ہو کر رہ گئی اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ انہوں نے بہت اچھا کام کیا (دُنیا میں بہت جائیداد بنالی اور بزعم خود کامیاب زندگی گزاری)۔ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا (جس کے بارے میں قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ آخرت میں وہی کچھ ملے گا جو کما کر آگے بھیجا ہو گا اور اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے) پس ان کی کمائی (دُنیا میں جو کچھ جمع کیا تھا) وہ تو اکارت گئی (کیونکہ وہیں رہ گئی) پس ہم ان کیلئے قیامت کے دن ترازو بھی نہیں لگائیں گے۔ ان کی سزا جہنم ہو گی' اسی پاداش میں کہ انہوں نے کفر کیا اور اللہ کے رسولوں اور اس کی آیات کو مذاق ہی سمجھتے رہے"۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ان آیات کو صرف دورِ نبویؐ کے کافروں پر منطبق کر کے اپنے آپ کو اس سے بری سمجھتے ہیں' حالانکہ ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اس دُنیا کے لئے کھپا دی ہیں اور ہم نے تو اللہ کی کتاب سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝ "جن کی آنکھیں ہمارے ذکر (قرآن مجید) سے بند رہیں اور انہوں نے سننے کی بھی طاقت نہ رکھی"۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس روش سے بچائے اور اسے واقعی قرآن مجید کی دی ہوئی ہدایت پر یقین عطا کرے تاکہ وہ آخرت کے لئے توشہ آگے بھیجنے کی طرف اپنی پوری توجہ دے اور وہاں پر کامیابی حاصل کرے۔ آمین!

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ :

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

"تم میں بہترین وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا"

دُعا کی اہمیت و فضیلت

کرنل (ر) محمد یونس

(دوسری قسط)

قبولیتِ دعا کے خاص اوقات اور مواقع و مقامات

۱۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ((ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ' الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَ الْبَأْسِ حِيْنَ يَلْحَمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا)) وَفِي رِوَايَةٍ ((وَوَقْتِ الْمَطَرِ)) یعنی "دو وقت کی دُعا رد نہیں ہوتی' ایک تو اذان کے وقت کی دُعا اور دوسرے جنگ کے موقع پر جب ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہوں" اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "بارش کے وقت"۔

اذان کے وقت دُعا کرنے کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ اذان کے شروع ہوتے وقت بھی دعا کی جا سکتی ہے اور اذان کے درمیان بھی۔ نیز اذان کے اختتام پر بھی دُعا کی مقبولیت کا وعدہ ایک روایت میں آیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا : یا رسول اللہؐ بے شک اذان دینے والے ہم سے فضیلت میں بڑھے جا رہے ہیں۔ ہم کو یہ فضیلت کیسے حاصل ہو؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "تم اسی طرح کہتے جاؤ جیسے مؤذن کہتا ہے' پھر جب اذان کا جواب ختم ہو جائے تو اللہ سے سوال کرو' جو مانگو گے دے دیا جائے گا"۔ (رواہ ابو داؤد)

۲۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے : ((لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ)) یعنی اذان اور اقامت کے درمیانی وقفہ میں دُعا رد نہیں کی جاتی اور ضرور قبول ہوتی ہے۔

۳۔ لیلۃ القدر میں۔

۴۔ یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ' پورا دن۔ ۵۔ رمضان المبارک کا پورا مہینہ۔

۶۔ جمعہ کی شب 'یعنی جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات۔
۷۔ جمعہ کا پورا دن' خاص طور پر امام کے خطبہ کے لئے بیٹھنے سے ختم نماز تک اور بعض کے نزدیک عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک۔
۸۔ فرض نماز پڑھنے کے بعد دُعا قبول ہوتی ہے۔
۹۔ ختم قرآن کے بعد دُعا قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عیاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً فَرِیْضَۃً فَلَہٗ دَعْوَۃٌ مُسْتَجَابَۃٌ وَمَنْ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ فَلَہٗ دَعْوَۃٌ مُسْتَجَابَۃٌ)) یعنی "جس نے فرض نماز پڑھی اس کے لئے مقبول دُعا ہے اور جس نے قرآن ختم کیا اس کے لئے مقبول دُعا ہے"۔
۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :
((اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ' فَاَکْثِرُوا الدُّعَاءَ)) یعنی "بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہو' لہٰذا سجدہ میں دُعا کثرت سے کیا کرو"۔
۱۱۔ روزانہ رات کا آخری تہائی حصہ قبولیت دعا کے بہترین اوقات میں سے ہے۔
۱۲۔ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے حصن حصین میں اوقات اجابت میں "عند اقامۃِ الصلٰوۃ" کا بھی ذکر کیا ہے۔
۱۳۔ وقت مغرب 'یعنی سورج غروب ہوتے وقت (روزانہ)۔

مکہ مکرمہ میں اجابت دُعا کے خاص مقامات :

۱۔ کعبہ شریف یعنی بیت اللہ پر نظر پڑتے وقت۔
۲۔ طواف کرتے ہوئے۔ ۳۔ ملتزم سے چمٹ کر۔
۴۔ میزاب یعنی بیت اللہ کے پرنالہ کے نیچے' جو حطیم میں گرتا ہے اور اس کو "میزابِ رحمت" کہتے ہیں۔
۵۔ بیت اللہ کے اندر۔ ۶۔ زمزم کے کنوئیں کے پاس۔

۷۔ صفا پر۔ ۸۔ مَروَہ پر۔

۹۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے۔

۱۰۔ مقام ابراہیمؑ کے پیچھے۔

۱۱۔ میدان عرفات میں۔

۱۲۔ مزدلفہ میں ۱۳۔ منیٰ میں۔

۱۴۔ تینوں جمرات کے قریب جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں (ملا علی قاریؒ کے مطابق)

۱۵۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان' نیز غارِ ثور' دارِ ارقم اور غارِ حراء بھی مقامات اجابت دُعا میں شامل ہیں۔

کن لوگوں کی دُعائیں بارگاہ الٰہی میں جلد قبول ہوتی ہیں :

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مندرجہ ذیل لوگوں کی دُعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں :

۱۔ مجبور و لاچار اور بے بس لوگ جنہیں لوگ خاطر میں ہی نہیں لاتے۔

۲۔ مظلوم اور ستم رسیدہ لوگ اگرچہ وہ گنہگار ہوں یہاں تک کہ اگرچہ کافر ہی ہوں۔

۳۔ باپ کی دُعا اولاد کے لئے۔ ۴۔ ہر نیکو کار آدمی کی دُعا۔

۵۔ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والی خدمت گار اولاد کی دُعا اپنے ماں باپ کے لئے۔

۶۔ مسافر کی دُعا۔

۷۔ روزہ دار کی دُعا روزہ افطار کرنے کے وقت۔

۸۔ ایک مسلمان کی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے اس کی غیر موجودگی میں دُعا۔ اور یہ دُعا تمام دُعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی دُعا ہے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب جہنم سے آزاد کردہ بندے جن میں سے ہر ایک کی دن رات میں ایک ایک دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

۱۰۔ مریض کی دُعا

۱۱۔ حاجی کی دُعا یہاں تک کہ وہ اپنے گھر واپس آجائے۔
۱۲۔ امام عادل کی دُعا۔ ۱۳۔ مجاہد کی دُعا۔
۱۴۔ اگر کوئی شخص ایسے جنگل بیابان میں ہو جہاں اللہ کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ ہو وہاں کھڑے ہو کر وہ نماز پڑھے اور پھر دُعا کرے تو اس کی دُعا رد نہ ہوگی۔
۱۵۔ اگر کوئی مجاہد میدان جہاد میں دشمن کی فوج کے سامنے ہو اور اس کے ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں مگر وہ دشمن کے نرغہ میں ثابت قدم رہا ہو اور اس حال میں دُعا کرے تو اس کی دُعا رد نہ ہوگی۔
۱۶۔ وہ آدمی جو رات کے آخری حصہ میں بستر چھوڑ کر اللہ کے حضور میں کھڑا ہو اور پھر دُعا کرے تو اس کی دُعا ضرور قبول ہوگی۔

دوسروں سے دُعا کی درخواست کرنا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے عمرہ کے لئے جانے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا: ((لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِن دُعَائِكَ)) (رواہ ابوداؤد والترمذی)۔ یعنی "اے بھیّا اپنی دُعاؤں میں ہم کو مت بھولنا"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا کلمہ ارشاد فرمایا کہ اس کے عوض ساری دنیا مل جانے سے بھی مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسروں سے دُعا کی درخواست بھی مستحسن فعل ہے۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ جس سے دُعا کے لئے کہا جائے وہ دُعا کی درخواست کرنے والے سے افضل ہو۔ جب حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دُعا کے لئے فرمایا تو ثابت ہوا کہ اکابر کو بھی اپنے چھوٹوں سے دُعا کے لئے کہنا چاہئے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ غائب کے لئے جو دُعا کی جائے بہت جلد قبول ہوتی ہے اور جس سے دُعا کے لئے درخواست کی جاتی ہے وہ بعض اوقات ایسے حال یا اشغال میں ہوتا ہے جن میں دُعا کرنا باعث قبولیت ہوتا ہے۔ جیسے حج یا عمرہ کے لئے جانے والے سے یا مسافر سے یا مریض سے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے لئے دُعا کرنے کا فرما کر دوسروں سے دُعا کرانے کی مستقل ترغیب فرما

دی۔

صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "یمن سے جہاد کے لئے آنے والی جماعتوں میں قبیلہ بنی مراد سے ایک شخص اویس نامی آئے گا۔ اللہ کے ہاں اس کا یہ مرتبہ ہے کہ اگر اللہ پر کسی بات کی قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم کو ضرور سچا کردے۔ لہٰذا اگر تم سے ہو سکے تو اس سے اپنی مغفرت کے لئے دُعا کرا لینا"۔

جس سے دُعا کی درخواست کی جائے اُسے تکلف نہیں کرنا چاہئے اور نہ تواضع کو آڑ بنا کر معذرت کرے۔ دُعا قبول فرمانے والا تو اللہ ہے۔ ذرا سی زبان ہلانے سے دُعا کرنے والے پر کیا بوجھ پڑتا ہے۔ دُعا کی درخواست مسترد کر کے لوگ اپنا ثواب بھی کھوتے ہیں اور دُعا کی درخواست کرنے والے کی دل شکنی بھی ہوتی ہے۔ ہم لوگ دُعا کے بہت زیادہ محتاج ہیں' لہٰذا اللہ کے نیک بندوں سے دُعا کی درخواست کرتے رہنا چاہئے۔ کیا پتہ ایسے لوگوں کی دُعاؤں سے ہی بیڑا پار ہو جائے۔

آدابِ دُعا اور شرائطِ قبولیت

دُعا مانگنے کے بعض آداب رُکنیت کے درجے کو پہنچتے ہیں اور بعض شرائط کے درجے کو کچھ مامورات ہیں اور کچھ منہیات۔

رکن : رکن وہ امر ہے جس پر دُعا کے دُعا ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار ہے۔ مثلاً اخلاص' کہ اس کے بغیر دُعا' دُعا ہی نہیں ہوتی۔

شرط : وہ چیز ہے جس پر دُعا کی قبولیت موقوف ہوتی ہے۔ اگر وہ نہ پائی جائے تو دُعا قبول ہی نہ ہو اگرچہ کتنے ہی اخلاص سے کی جائے۔ مثلاً محرمات (حرام غذا' حرام لباس اور حرام کمائی) جن سے اجتناب لازم ہے۔

مامورات : مامورات وہ پسندیدہ امور و اعمال اور پسندیدہ صورتیں ہیں جو دُعا کو زیادہ موثر اور قابل قبول بنا دیتی ہیں۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ان کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً دعا

کے لئے دو زانو بیٹھنا اور قبلہ رُخ ہونا کیونکہ یہ اللہ کی طرف توجہ اور ادب و احترام کی علامات ہیں۔ مگر دُعا کی قبولیت ان پر موقوف نہیں ہے۔ ان کے بغیر بھی دل سے نکلی ہوئی دُعا ان شاء اللہ قبول ہو جائے گی۔ بلکہ کسی بھی حالت میں جب بندہ اخلاص اور حضور قلب کے ساتھ اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہو گا اور دل ہی دل میں التجا کرے گا تو اپنے رب کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔

منہیات : وہ ناپسندیدہ امور یا دُعا کی وہ صورتیں ہیں جو دُعا کے مناسب یا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔ مثلاً دُعا مانگتے وقت آسمان کی طرف نظر اٹھانا یا تکتے رہنا دُعا کی وہ ناپسندیدہ صورت ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ صورت اللہ کے ادب و احترام کے لحاظ سے مناسب نہیں ہے۔

آدابِ رکنیت :

۱۔ اللہ جل شانہ کی طرف خلوص دل سے متوجہ ہونا اور یہ یقین رکھنا کہ صرف وہی دُعا قبول کرتا ہے اور وہی مشکل کشا ہے۔

۲۔ پورے یقین کے ساتھ قطعی طور پر اور بغیر کسی تردد اور تذبذب کے دُعا مانگنا۔ نیز دُعا اپنی طرف سے کسی چیز پر موقوف نہ کرنا۔ مثلاً یہ نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو میرا قرض ادا کر دے بلکہ اس طرح دُعا مانگے کہ اے اللہ میرا قرض ادا فرما دے یا میرے قرض کی ادائیگی کے اسباب مہیا فرما دے۔ یعنی اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور میں اپنی مانگ رکھے۔ بے شک اللہ وہ کرے گا جو وہ چاہے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کوئی کام کرا سکے۔

۳۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتا رہے کیونکہ اس کے بغیر دُعا قبول نہیں ہوتی۔

آدابِ شرائط :

۱۔ کھانے، پینے، پہننے اور کمانے کے ذرائع میں حرام سے بچنا۔

۲۔ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دُعا نہ مانگنا۔

۳۔ جو چیز روزِ اول سے ہو چکی ہے اس کے خلاف دُعا نہ مانگے۔ مثلاً یہ کہ الٰہی تو مجھے عورت سے مرد یا مرد سے عورت بنادے۔

۴۔ دُعا میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ مثلاً کسی ناممکن امر کی دُعا نہ کرے۔

۵۔ قبولیتِ دُعا کے لئے جلد بازی نہ کرے۔ مثلاً یہ نہ کہے کہ دُعا پوری ہونے میں ہی نہیں آتی یا میں نے دُعا کی تھی مگر قبول ہی نہیں ہوئی۔

آدابِ ماموراتِ (مستحبات) :

۱۔ دُعا مانگنے سے پہلے کوئی نیک عمل کرنا۔ مثلاً صدقہ دینا یا دو رکعت نماز حاجت پڑھنا۔

۲۔ پاک صاف ہونا' باوضو ہونا۔

۳۔ دُعا کے لئے دو زانو بیٹھنا اور قبلہ رُخ ہونا۔

۴۔ دُعا مانگنے سے پہلے اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کا واسطہ دینا —— چنانچہ سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا' وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اَسْمَآئِهٖ' سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ "اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں' لہٰذا اس کو اس کے انہی ناموں سے پکارو' اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں (یعنی اس کے نام رکھنے میں راستی سے منحرف ہو جاتے ہیں) ان لوگوں کو ان کے کئے کی سزا ضرور ملے گی)"۔

اس پر عمل کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جس مقصد یا جس حاجت کے لئے دُعا کی جائے پہلے اس سے مناسبت رکھنے والے اسماء حسنیٰ کا تذکرہ کریں اور ان کی وساطت سے دُعا کریں۔ مثلاً اگر اپنی معافی اور مغفرت کی دُعا کرنی ہے تو یوں کہیں : يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ يَا غَفَّارُ يَا عَفُوُّ يَا غَفُوْرُ يَا وَدُوْدُ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ۔

۵۔ اسی طرح دُعا کے اول و آخر میں نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا' جو دُعا کو قوتِ پرواز عطا کرے گا۔

۶۔ دونوں ہاتھ پھیلانا' کندھوں تک اٹھانا' کھلا رکھنا اور ان کا رخ آسمان کی طرف رکھنا' کیونکہ دعا کا قبلہ آسمان ہے اور جب دعا سے فارغ ہوں تو دونوں ہاتھوں کو منہ پر پھیر لینا۔ یہ مسنون طریقہ ہے' اس میں دعا کی قبولیت پر ایمان و یقین کا مظاہرہ ہے اور رحمت خداوندی کے نزول پر اعتماد کی طرف اشارہ ہے کہ رحمتِ خداوندی میرے چہرے سے شروع ہو کر مکمل طور پر مجھے گھیرے ہوئے ہے۔

۷۔ حضور اقدس ﷺ سے جو دعائیں احادیث میں منقول ہیں انہی کو اختیار کرنا کیونکہ وہ تمام ضروریات و حوائج جن کے لئے انسان دعا مانگتا ہے ان سب کے لئے آپ ﷺ نے دعائیں تعلیم فرمادی ہیں۔

۸۔ جان' مال اور آل اولاد کے لئے کسی وقت بھی بددعا نہ کریں' ہمیشہ عافیت کا سوال کرتے رہیں۔

۹۔ دعا اپنی ذات سے شروع کریں اور پھر اپنے ماں باپ کے لئے اور تمام مومنین و مومنات اور مسلمین و مسلمات کے لئے' درجہ بدرجہ دعا مانگیں۔

۱۰۔ ایک ہی مقصد کے لئے تین بار دعا مانگیں۔ قبولیت کا اثر معلوم ہو یا نہ ہو' دعا کو کبھی ترک نہ کریں۔

۱۱۔ اپنی تمام حاجات' چاہے وہ کتنی ہی معمولی ہوں یا بہت بڑی کیوں نہ ہوں اللہ ہی سے مانگیں۔

۱۲۔ دعا سوچ سمجھ کر مانگیں۔ غفلت میں دعا مانگنا بے ادبی ہے' اور یاد رکھیں کہ اللہ اس شخص کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل دعا کے وقت اللہ سے غافل اور بے پرواہ ہو۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ)) (رواہ الترمذی)

۱۳۔ دعا کے اختتام پر آمین کہنا۔ دعا کو آمین پر ختم کرنے کی اہمیت کے بارے میں حضرت ابی زہیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ باہر نکلے۔ چلتے چلتے ایک شخص کے پاس پہنچے تو نہایت لجاجت کے ساتھ دعا کر رہا تھا۔ حضور ﷺ اس کی دعا سنتے رہے' پھر فرمایا اس نے قبولیت کو واجب کر دیا اگر ختم کر لے۔ حاضرین میں

سے کسی نے پوچھا کہ کس چیز پر ختم کرے؟ فرمایا: آمین کے ساتھ ختم کرے۔ کیونکہ اگر آمین کے ساتھ دُعا ختم کی تو اس نے قبولیت واجب کر دی۔ جن صاحب نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا وہی دُعا کرنے والے کے پاس گئے اور اسے بتایا کہ اپنی دُعا کو آمین سے ختم کرے اور قبولیت کی خوشخبری سن لے۔ لہٰذا یاد رکھئے کہ دُعا کو آمین پر ختم کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔

آمین کے معنی کے ضمن میں اکثر حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی ہیں : اِسْتَجِبْ یعنی اے اللہ قبول فرما۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ میری امید کو پوری فرما' محروم نہ فرما۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو دُعا مانگی جائے آمین اس کی تاکید ہے۔ اگر مجلس میں ایک آدمی دُعا کرے اور حاضرین آمین کہیں تو یہ بھی مستحب ہے' اس طرح آمین کہنے والے دُعا میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں دُعا کرنے والے کو چاہئے کہ جمع کے الفاظ استعمال کرے تاکہ دُعا میں سب شامل ہو جائیں۔

اقول قولی هذا و استغفر اللّٰه لی و لکم و لسائر المسلمین و المسلمات ○○

(یہ مقالہ تنظیم اسلامی لاہور شرقی کے زیر اہتمام
منعقدہ شب بسری کے پروگرام میں پڑھا گیا)

بقیہ : منہجِ انقلابِ نبویؐ

اس کی حیثیت کیا تھی! اللہ تعالیٰ نے ایک آندھی بھیج دی اور ان کے تمام ارمان ملیامیٹ ہو گئے۔ حضور ﷺ کو اندازہ تھا کہ اس ہزیمت سے قریش کے حوصلے اس قدر پست ہو گئے ہیں کہ اب قریش یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ مدینہ پر دوبارہ حملہ کرنے کے متعلق سوچیں۔ لہٰذا حضور ﷺ نے اہل ایمان کو بشارت سنادی کہ اس سال کے بعد اب قریش تم پر حملہ نہیں کر سکتے' بلکہ اب تم چڑھائی کر کے جاؤ گے' اب پیش قدمی تمہاری طرف سے ہو گی۔ اب جنگ کے لئے اقدام ہماری طرف سے ہو گا جو اب تک قریش کے ہاتھ میں تھا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین ○○

ایران میں پارلیمانی انقلاب

آئین سازی اور پارلیمانی جمہوریت کا آغاز

بسلسلہ علامہ اقبال اور مسلمانان عجم (۱۱)

ڈاکٹر ابو معاذ

مظفر الدین قاچار

اس بادشاہ نے ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۶ء) سے ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۷ء) تک ایران پر تاریخ کے نازک دور میں حکومت کی۔ وہ اپنی تخت نشینی کے وقت تبریز سے انگریزوں اور روسیوں کی معیت میں تہران آیا' اور ان کے زیر سایہ اپنی کٹھ پتلی حکومت کا آغاز کیا۔ وہ بنیادی طور پر ایک سلیم الفطرت اور شریف آدمی تھا۔ اس نے ملک کی بدترین اقتصادی بدحالی کے پیش نظر روسیوں سے بھاری قرضے لئے اور وائسرائے ہند لارڈ کرزن کی ایران میں آمد کے بعد یہاں انگریزوں کے مزید قونصل خانے کھلے اور برطانوی ہند سے تجدید تعلقات ہوئی۔ ہرچند کہ بادشاہ بذات خود تو ایک شریف انسان تھا لیکن وہ مفاد پرست امراء اور مشیروں میں گھرا ہوا تھا۔ ملک کا بجٹ مسلسل خسارے میں جا رہا تھا۔ عمال حکومت بددیانت تھے' تاجر ذخیرہ اندوزی کرتے رہتے تھے اور محلاتی سازشیں عروج پر تھیں۔ کہنے کو تو ایران ایک آزاد ملک تھا لیکن داخلی اور خارجی اعتبار سے انگریزوں اور روسیوں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔

انقلاب

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' سید جمال الدین افغانی کے مزارِ شاہ عبدالعظیم میں قیام اور پناہ لینے کے بعد وہ جگہ سیاسی اعتبار سے اہمیت اختیار کر گئی تھی اور ناصرالدین

قاچار کو بھی وہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۴ء تک کا دَور ایران میں روشن دماغی اور فکری احیاء کا دور تھا۔ بیرون ملک سے کئی فارسی اور عربی جرائد اور مجلات ایران میں کسی نہ کسی طرح سے پہنچ جاتے تھے۔ میلکم خان کا رسالہ "قانون" اور مؤید الاسلام کا رسالہ "حبل المتین" بہت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ نیز "حکمت" اور "اختر" کا ایران کی ذہنی بیداری میں اہم کردار رہے۔ حاجی زین العابدین کا "سیاحت نامہ ابراہیم بیگ" میں مؤلف نے اس دور کے ایران کے الم ناک حالات کو دلچسپ فکاہی پیرائے میں پیش کیا ہے۔

عوام کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کے پیش نظر علماء اور مجتہدین میں سے کچھ لوگ میدان میں اتر گئے تھے۔ اسی دور میں ایک خفیہ تنظیم "اصلاح طلبان" قائم ہوئی، جس کے سرپرست حجتہ الاسلام سید محمد طباطبائی تھے۔ واعظ حضرات نے منبروں پر خطبات کے دوران مظالم کا نقشہ کھینچنا شروع کر دیا تھا۔ خصوصاً جمال الدین واعظ اصفہانی کی آتش بیانی نے قوم کے جذبات کو ابھارنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ وزیر اعظم عین الدولہ نے علماء و مجتہدین کو انتقامی کاروائیوں سے ڈرایا دھمکایا۔ جب عین الدولہ کی وزارت عظمیٰ سے علیحدگی کا عوامی مطالبہ زور پکڑ گیا تو مقتدر سادات، علماء اور تجار کو بر سرعام تختہ دار پر لٹکایا جانے لگا تھا۔

ان حالات میں ایران کے متعدد تاجر، جیّد علماء مثلاً سید عبداللہ بہبہانی اور سید طباطبائی کے ہمراہ احتجاجاً مسجد شاہ (تہران کی جامع مسجد) میں دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔ پولیس کی طرف سے ان لوگوں کا محاصرہ کر لیا گیا اور ان کی رسد بند کر دی گئی۔ اب کچھ لوگ کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل کر قم چلے گئے اور حضرت معصومہ کے مزار میں جا بیٹھے۔ اسی دن سید محمد طباطبائی اور سید عبداللہ بہبہانی وہاں سے نکل کر اپنے اعزہ و اقارب کے ہمراہ شہر "رے" میں شاہ عبدالعظیم کے مزار کی عمارت میں بیٹھ گئے۔ رفتہ رفتہ دیگر علماء، تاجر اور طلبہ بھی اس جگہ جمع ہو گئے۔ ان لوگوں کی مدد ولی عہد شہزادہ محمد علی مرزا نے بھی کی جو عین الدولہ کی وزارت عظمیٰ کا مخالف تھا۔ بادشاہ نے ہر طرح سے یہ دھرنا ختم کروانے کی کوششیں کیں اور جب وہ بار آور نہ ہو سکیں تو ایک فرمان تحریر کروا کے اپنے دستخطوں

سے ان لوگوں کے ہاں بھجوادیا کہ ان کے دونوں مطالبے تسلیم کرلئے گئے ہیں' وزیراعظم کو برطرف کردیا گیا ہے اور عدالت خانہ قائم کردیا گیا ہے۔ مظاہرین شاہی سواریوں میں بٹھا کر پوری شان و شوکت سے تہران لائے گئے اور خود بادشاہ نے بنفسہٖ ان کا خیر مقدم کیا۔ پوری قوم نے اس موقعہ پر "فتح ملت" کے نام سے ایک شاندار جشن منایا۔ لیکن جلد ہی حسب عادت بادشاہ اپنے اس وعدے سے مکر گیا اور فرمان پر عمل کرنے میں پس و پیش سے کام لینے لگا۔

عوام علماء کی قیادت میں ایک بار پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور فارس و خراسان کے صوبوں میں خوفناک بلوے شروع ہو گئے۔ عین الدولہ نے پکڑ دھکڑ شروع کردی اور گرفتار شدگان کو نادر شاہ کے بنائے ہوئے قلعہ کلات میں قید کردیا۔ ہرچند سید محمد طباطبائی اور سید عبداللہ بہبہانی نے شاہ کو ایک خط کے ذریعے اس کا وعدہ یاد دلایا مگر اس نے مزید سختی شروع کردی۔ ان دونوں علماء نے دوبارہ منبروں پر آکر ملوکیت کے استبدادی حربوں کی مذمت شروع کردی۔ علماء کے علاوہ "انجمن مخفی" اور "کتاب خانۂ ملی" نے بھی اپنی حریت پسندانہ سرگرمیاں شروع کردیں۔ یورپ سے چھپ کر ایران آنے والے فارسی مجلات کا لہجہ بھی بتدریج تلخ تر ہونے لگا۔

عین الدولہ نے آپ کی انقلابی سرگرمیوں سے سیخ پا ہو کر آقا سید جمال الدین واعظ اصفہانی کو شہر بدر کردیا جو قم میں پناہ گزین ہو گئے۔ ایک اور عالم دین شیخ محمد کو بھی تذلیل کے ساتھ شہر بدر کردیا' جنہیں گدھے پر بٹھا کر جب شاہی پولیس کے سپاہی لے جارہے تھے تو عوام کے ایک مشتعل ہجوم نے سپاہیوں کو آلیا۔ انہوں نے شیخ محمد کو ایک کوٹھری میں بند کردیا۔ لوگوں نے کوٹھری کا دروازہ توڑنا چاہا تو سپاہیوں نے اندھا دھند فائرنگ کردی جس کے نتیجہ میں پندرہ افراد مارے گئے مگر عوامی مزاحمت کے نتیجہ میں سپاہی بھاگ نکلے' لوگوں نے شیخ محمد کو آزاد کروالیا اور عبدالمجید شہید (جس نے دروازہ توڑنے میں پہل کرتے ہوئے گولی کھائی تھی) کا جنازہ شہر کی گلیوں اور بازاروں سے گزارا گیا اور لوگوں کا غیظ و غضب اپنے عروج پر جا پہنچا۔

اب آزادی خواہوں نے اسے ایک محفوظ مقام سمجھ کر قم کی جانب ہجرت کرنا

شروع کی۔ یہ ایران کی تاریخ میں "ہجرت کبریٰ" کہلاتی ہے۔ اس دوران چار ہزار افراد نے کچھ عرصہ کے لئے برطانوی سفارت خانہ میں بھی پناہ لئے رکھی۔ مظاہرین کا اب یہ مطالبہ تھا کہ ملک میں جمہوریت قائم کردی جائے اور بادشاہت صرف آئینی طور پر باقی رہ جائے۔ ان مطالبات کی بادشاہ نے سخت مزاحمت کی۔ اس دوران سرکاری عہدیدار بھی جدوجہد آزادی میں شریک ہو گئے اور شاہی فوج میں بھی بغاوت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ آخر کار ۵/۱ اگست ۱۹۰۶ء کو تمام عوامی مطالبات تسلیم کر لئے گئے' اور ایران میں آئینی بادشاہت کے ساتھ پارلیمانی جمہوریت کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ آئین کے تحت لوگوں کو ہر طرح کی مذہبی اور سماجی آزادی کی ضمانت مل گئی۔ نئے آئین کے تحت اکتوبر ۱۹۰۶ء میں پہلی پارلیمنٹ قائم ہو گئی جو تیس برس سے ستر برس کی عمر کے افراد کے براہ راست ووٹوں سے منتخب ہوئی تھی۔ یکم جنوری ۱۹۰۷ء کو مظفرالدین قاچار نے باقاعدہ طور پر پارلیمنٹ کا افتتاح کیا۔ جمہوری دستور عطا کرتے کے جلد ہی بعد یہ بادشاہ' ۲۳ ذی قعد ۱۳۲۴ھ (۸ جنوری ۱۹۰۷ء) کو وفات پا گیا۔

شاہ کے آخری ایام کے دوران یہ محسوس ہونے لگا کہ اب ایران سے مطلق العنان بادشاہت اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکی ہے اور بادشاہ کا کردار آئینی ذمہ داریوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے جبکہ تمام انتظامی اختیارات عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل ہو چکے ہیں' عوام کو شخصی آزادیاں مل چکی ہیں اور ملک میں قرآن و سنت کی بالادستی قائم ہو چکی ہے۔ مگر جلد ہی یہ تمام امیدیں خاک میں مل گئیں اور ایران ایک بار پھر ایک تاریک دور میں داخل ہو گیا۔

محمد علی شاہ قاچار

اس بدفطرت بادشاہ نے ۱۳۲۴ھ تا ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۷ء تا ۱۹۰۹ء) کے مختصر عرصہ کے لئے ایران پر حکومت کی۔ اس بادشاہ نے مجلس (پارلیمنٹ) کو ختم کرنا چاہا اور آئینی بادشاہت کی بجائے ملکی معاملات میں شاہی مداخلت مسلسل جاری رکھی۔ اس وجہ سے ایران میں ایک مرتبہ پھر سے بدامنی پھیلنے لگی۔ اصفہان' شیراز اور تبریز میں فسادات کی

آگ بھڑک اٹھی اور تبریز میں فوج کو بھجوایا جانے والا سرکاری اسلحہ لوٹ لیا گیا۔ کرمان شاہ میں شاہ کے بھائی سالار الدولہ نے قسمت آزمائی کرتے ہوئے تاج و تخت کے حصول کے لئے مسلح بغاوت کر دی اور تین دن کی جنگ کے بعد ناکام ہو کر اپنی جان بچانے کی غرض سے برطانوی قونصل خانے میں پناہ گزین ہو گیا۔

اس ناعاقبت اندیش بادشاہ نے عوام اور جمہوریت کے خلاف استبداد اور مخالفت کا سلسلہ جاری رکھا۔ مجلس یعنی پارلیمان میں سید عبداللہ بہبہانی' سید محمد طباطبائی اور سید جمال الدین واعظ نے حق گوئی و بیباکی کا سلسلہ جاری رکھا' مسجدوں کے منبروں سے بھی صدائے حق بلند ہوتی رہی اور ہر بار بادشاہ قرآن پر ہاتھ رکھ کے مجلس میں آکر یہ عہد کرتا رہا کہ وہ دستور کا وفادار رہے گا' مگر پھر واپس جاتے ہی وہ مکر جاتا اور اپنے استبداد کا از سر نو آغاز کر دیتا۔

۱۵/ دسمبر ۱۹۰۸ء کو شاہ نے مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے تمام اراکین مجلس کو شاہی محل میں بلوایا اور منتخب وزیر اعظم ناصر الملک کو گرفتار کروا دیا۔ غنڈوں کو لوٹ مار کی کھلی اجازت دے دی تاکہ حریت پسندوں کو سزا دلائی جا سکے۔ شاہ نے پہلے اس خیال کا اظہار کیا کہ مجلس (پارلیمنٹ) کو توڑ دیا جائے مگر عوام کے ممکنہ غم و غصہ کے پیش نظر اس نے مشہور عالم دین سید جمال الدین واعظ' ملک المتکلمین' تقی زادہ اور مشیر الدولہ کی رکنیت ختم کرنے کا عندیہ دیا۔ اب تبریز' رشت' قزوین' مشہد' اصفہان اور کرمان کے لوگوں نے اجتماعی طور پر مجلس پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ اہل تبریز نے تمام غیر ملکی سفارت خانوں کو تار دے کر مطلع کیا کہ وہ بادشاہ کے تمام ظالمانہ اقدامات کی زبردست مذمت کرتے ہیں اور آذربائیجان سے تعلق رکھنے والے فوجیوں کو پیغام بھیجا کہ اگر انہوں نے مجلس کو نقصان پہنچایا تو ان کے گھر جلا دیئے جائیں گے اور ان کے اہل خاندان کو قتل کر دیا جائے گا۔ قزوین سے مسلح دستے تہران آنا شروع ہوئے اور تبریز سے ایک ہزار مسلح افراد تہران کے لئے روانہ ہوئے تاکہ وہ حریت پسندوں کے ساتھ مل کر شاہی استبداد اور غیر ملکی غلبے کے خلاف مزاحمت کر سکیں۔

اس دوران روس اور برطانیہ میں ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت برطانیہ اور

روس نے ایران میں اپنے اثر و نفوذ کے علیحدہ علیحدہ زون بنالئے اور ایران کو اس فیصلے میں کسی طرح سے بھی شریک نہیں کیا گیا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے ایران کو تقسیم کر کے یہ دونوں ملک آپس میں مفتوحہ خطے کی صورت میں بانٹنا چاہتے ہوں۔

اب بادشاہ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ ہرچند کہ مجلس نے اس کی مذمت کی اور اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا مگر شاہ کو شک صرف اراکین مجلس پر ہی رہا۔ اس نے روسیوں کے ذریعے مظاہرین پر گولیاں چلوائیں اور بہانے بہانے سے عوامی رہنماؤں کو شہر کے باہر ایک باغ میں بلوا کر گرفتار کروالیا۔ اب بادشاہ نے عوام کو عبرتناک سبق سکھانے کے لئے روس کی مسلح افواج سے مدد لینے کی ٹھان لی۔ روسی کرنل لیاخوف کی سرکردگی میں ملک بھر میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور مسجد سپہ سالار میں موجود مجتہدین کے اجتماع کو منتشر کرنے کے لئے روسی فوج نے دباؤ ڈالا۔ جب یہ کوششیں بار آور نہ ہوئیں تو اب بادشاہ نے ایوان مجلس پر بھی دست بمباری کروائی جس میں روسی بریگیڈ اور دوسرے مسلح دستوں نے حصہ لیا۔ متعدد اراکین مجلس شہید ہو گئے۔ بعض نمائندے مجبوراً برطانوی سفارت خانے کی عمارت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ بہبہانی اور طباطبائی جیسے عظیم علماء گرفتار ہوئے۔ سید جمال الدین واعظ اصفہانی قبرستان جاتے ہوئے راستے میں مارے گئے۔ ملک المتکلمین اور مرزا جہانگیر تختہ دار پر چڑھا دیئے گئے۔ بالآخر اس خوفناک کارروائی کے نتیجہ میں تہران پر کرنل لیاخوف کا قبضہ ہو گیا۔

اب آزادی کے بچے کھچے متوالوں نے مجبوراً تبریز کا رخ کیا اور وہاں پر عوامی بغاوت ہو گئی جس کی قیادت ستار خاں اور سالار ملی باقر خان نے کی۔ شاہ کی فوج نے عین الدولہ کی قیادت میں اس اہم تاریخی شہر کا بھی محاصرہ کر لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد روسیوں اور انگریزوں کی مداخلت پر یہ محاصرہ اٹھالیا گیا۔

اب اصفہان سے صمصام السلطنت نجف علی خان بختیاریوں کا لشکر لے کر تہران کی جانب روانہ ہوا۔ اہل رشت نے محمد ولی خاں سپہ دار اعظم کی قیادت میں علم آزادی بلند کیا اور بختیاری سردار حاجی علی قلی خان سردار اسعد نے اپنے لنگر کے ہمراہ کوچ کر کے صمصام الدولہ کے ہاتھ مضبوط کئے۔ اب اس متحدہ فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے روسی او

انگریز تیاریاں کرنے لگے۔ روسی افواج آذربائیجان کے دارالحکومت باکو میں جمع ہو گئیں اور تین ہزار روسی فوجی بحیرہ خزر (Caspian) کی بندرگاہ انزلی پر اتر گئے۔ روسی افواج اور انگریزوں کے تہران پہنچنے سے پہلے ہی آزادی کے متوالوں نے صمصام الدولہ کی قیادت میں تہران کی شاہی افواج کو شکست سے دوچار کر دیا۔ عوام کے غیظ و غضب سے بچ کر بادشاہ ۱۶ جولائی ۱۹۰۹ء کو روسی سفارت خانے میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

اب بچے کھچے اراکین مجلس (پارلیمنٹ) نے اپنا خصوصی اجلاس بلوا کر شاہ کو تاج و تخت سے معزول کر کے اس کے بارہ سالہ بیٹے احمد شاہ کو بادشاہ بنانے کا اعلان کر دیا۔

احمد شاہ قاچار

اس ناعاقبت اندیش بادشاہ کا عہد حکومت ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) تا ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۴ء) تک محیط تھا۔

اب بادشاہ نابالغ تھا' خزانہ خالی تھا' ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی' انگریز اور روسی ایران پر نگاہیں لگائے کھڑے تھے اور ہر ممکنہ مداخلت سے باز نہیں آتے تھے۔ اس دوران مجلس (پارلیمنٹ) میں بھی پھوٹ پڑ چلی تھی' ایک گروہ انتہاپسندوں کا اور دوسرا اعتدال پسندوں کا تھا۔ انگریز فوجیں جنوبی ایران میں گھس بیٹھی تھیں۔

اس دوران روسیوں کی مدد سے معزول بادشاہ محمد علی قاچار نے ۱۹۱۱ء میں استر آباد آ کر دوبارہ ایران پر قبضہ کرنا چاہا مگر وہ بری طرح شکست کھا کر یورپ کی جانب چلا گیا۔

اسی دوران امریکی مالی ماہرین نے شوستر کی قیادت میں ایران میں مالیاتی نظام کی اصلاح کرنا چاہی تو روسیوں نے سخت احتجاج کیا۔ بالآخر روسیوں نے اپنے ہراول دستے تہران بھجوا دیئے اور ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ء) میں اپنی فوج ایک بار پھر بحیرۂ خزر کی بندرگاہ انزلی پر اتار دی۔ ادھر برطانوی حکومت ہندوستان نے بھی شاہی رسالے کے دو دستے شیراز بھجوا دیئے۔ اب حکومت روس نے مطالبہ کیا کہ شوستر کو معزول کیا جائے اور آئندہ برطانوی اور روسی سفیروں کے مشورے کے بغیر حکومت ایران کوئی غیر ملکی مشیر مقرر نہ کرے۔

مجلس (پارلیمنٹ) نے غیر ملکی استعماری طاقتوں کے یہ تمام مطالبات پوری جرأت کے ساتھ مسترد کر دیئے۔ ادھر علماء نے ایک فتویٰ جاری کیا جس کے تحت انگلستان اور روس کی ہر طرح کی درآمدات ممنوع قرار دے دی گئیں۔ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ یہ زمانہ برصغیر میں گاندھی کی ترک موالات سے پہلے کا دور تھا' فرق صرف یہ تھا کہ ایران میں ایسی تحریک کا محرک علماء کا ایک فتویٰ تھا۔ اس موقع پر شوستر نے اپنی کتاب "اختناق فارس (Strangling of Persia) میں لکھا ہے کہ ایران میں روسی افواج کے اترتے ہی مَردوں کے ساتھ ساتھ ایرانی عورتیں بھی ہر قربانی کے لئے تیار ہو گئیں۔ وہ اگرچہ اَن پڑھ تھیں مگر وطن کی آزادی کی قدر و قیمت سے پوری طرح باخبر تھیں۔ وہ ہر روز اپنے گھریلو اخراجات سے کچھ رقم بچا کر دفاعی فنڈ میں جمع کرواتی تھیں۔ جب جوان مَردوں کے دلوں پر خوف و ہراس طاری تھا اور مجلس کے اراکین کے پاؤں بھی ڈگمگا رہے تھے' ایک بار تین سو عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈال کر اور چادروں میں پستول چھپا کر اچانک مجلس میں آ گئیں' یہاں انہوں نے نقاب پھاڑ ڈالے اور پارلیمنٹ کے اراکین کو دھمکی دی کہ اگر تم نے ملت کی شرافت اور حریت کی پاسداری نہ کی تو ہم تمہیں گولی مار کر خود بھی خودکشی کر لیں گی۔

بالآخر روسیوں نے مجلس کو محاصرے میں لے لیا اور اپنے استعماری شرائط من و عن تسلیم کرنے پر دباؤ ڈالا گیا جو مجبوراً تسلیم کر لی گئیں اور شوستر کو ایران سے واپس امریکہ بھجوا دیا گیا۔

یہ تمام تر شرمناک مطالبات تسلیم ہونے کے باوجود روسیوں نے تبریز پر فوجی یلغار کر دی۔ بے گناہ عورتوں' بچوں اور مَردوں کو سخت ایذائیں دے دے کر قتل کر دیا گیا۔ عین عاشورہ کے دن ایک متدین عالم دین ثقۃ الاسلام کو دو مجتہدین اور پانچ ایرانی افسروں سمیت تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ گیلان میں دارالحکومت رشت اور بندرگاہ انزلی میں بھی نہتے عوام کے خون کی ہولی کھیلی گئی۔ بعد میں ۱۹۱۲ء میں مشہد میں عوام پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ حضرت امام رضاؑ کے روضے کے بیرونی حصوں کو زبردست نقصان پہنچا اور متعدد بے گناہ زائرین شہید ہوئے۔

ایران ابھی تباہ حالی سے دوچار ہی تھا کہ جنگ عظیم اول کے منحوس سائے پوری دنیا پر منڈلانے لگے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ایران متحارب جنگی قوتوں کے مفادات کی زد میں تھا۔ جرمنوں نے بوشہر میں ۱۸۹۷ء سے اپنا قونصل خانہ کھول رکھا تھا۔ انہوں نے حکومت ایران کی اجازت سے تہران میں ایک کالج بھی کھول لیا جہاں جرمن استاد تعلیم دیتے تھے۔ علاوہ بریں انہوں نے اپنے کچھ تجارتی اڈے بھی قائم کر لئے۔ جنگ سے پہلے ایران میں روسیوں کا ایک قازق بریگیڈ تھا جس میں آٹھ ہزار سپاہی اور افسر تھے اور اس کا صدر مقام تہران تھا۔ مالیاتی وصولی کے لئے ژاندارمری کے نام پر سویڈن کی سات ہزار فوج بھی ایران میں موجود تھی جو شاہراہوں کا تحفظ بھی کیا کرتی تھی۔ یہ لوگ زیادہ تر صوبہ فارس میں مقیم تھے۔ ایران کے اپنے فوجی دستوں کی اپنے ہی ملک میں کوئی عسکری اہمیت نہیں تھی۔

ہرچند کہ ایران اپنے طور پر اس جنگ میں غیر جانبدار رہا مگر جلد ہی اپنے جغرافیائی حالات اور داخلی کمزوریوں کی وجہ سے جنگ عظیم کے شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔ روسی اور ترک ایران کے شمال مغربی علاقوں پر قابض ہو گئے اور روسیوں نے تو زبردست تیزی دکھاتے ہوئے ۱۹۱۶ء میں اپنے زیر اثر علاقہ میں ریلوے کی پٹڑی بھی بچھادی۔ وہ تبریز جیسے اہم شہر پر قابض ہو گئے۔ مغربی علاقہ خوزستان میں قدرتی تیل کی ایک اہم پائپ لائن جو ۱۵۰ میل لمبی تھی اور کوہ تفتون سے اہواز کے راستے ابادان تک بچھائی گئی تھی یہ انگریزوں کی ملکیت تھی۔ ترکوں نے اس کو تباہ کرنے کے لئے ایران کی حدود میں فوج کشی کردی، مگر چند ایک ابتدائی فتوحات کے بعد انگریزوں کے ہاتھوں پسپا ہو گئے۔

اب جرمنوں نے بھی ایران پر توجہ مبذول کردی۔ انہوں نے ایران میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہایا۔ لوگوں میں جدید اسلحہ بانٹا اور پیشہ ور لوگوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا۔ قبائلیوں کو پراپیگنڈے اور پیسے کے زور پر اپنے ساتھ ملالیا۔ ۱۹۱۵ء میں ترکوں نے کرمان شاہ کی طرف پیش قدمی کی تو کرمان شاہ کے قونصل جنرل نے اپنی پراپیگنڈہ مہم تیز کردی۔ اس دوران اصفہان میں ایک جرمن تاجر ایرانی لباس میں ملبوس ہو کر آیا اور اس نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے علماء اور عوام کو

یقین دلایا کہ جرمن قوم حلقہ بگوش اسلام ہو چکی ہے اور ان کا بادشاہ قیصر ولیم ایک حاجی ہے۔ ان بہروپئے جرمنوں نے عیسائیوں کے خلاف پراپیگنڈہ بھی شروع کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں وہاں کا روسی نائب قونصل لوگوں کے ہاتھوں مارا گیا اور برطانوی قونصل جنرل پر بھی حملہ ہوا جس میں وہ سخت زخمی ہو گیا۔ انگریز اور روسی بھاگ کر اہواز آ گئے۔ سویڈن کے دستے بھی جرمنوں کے حامی تھے۔ جنوبی ایران میں جرمنوں نے استحکام حاصل کرنے کے بعد تہران کی جانب توجہ دی۔ روسیوں نے بھی اپنی افواج جرمنوں کو بھگانے کے لئے بھیجیں۔ جرمن اہلکاروں نے شاہ عبدالعظیم کے مزار کے احاطے میں احمد شاہ کو بلوایا۔ شاہ مسلسل گومگو کی کیفیت میں تھا' کبھی انگریزوں اور روسیوں کی سنتا کبھی جرمنوں کی' مگر اس نے بالآخر تہران میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

ایران کو مسلسل اپنی سیاسی' فوجی اور انتظامی کمزوریوں کی سزا مل رہی تھی اور متحارب طاقتوں نے اسے اپنی آماجگاہ بنا رکھا تھا۔ اس دوران ایران پر کبھی ترک آ دوڑتے کبھی روسی اور کبھی انگریز۔ جنوب میں انگریز ملیشیا ساؤتھ پرشین رائفلز (South Persian Rifles) کی مدد سے ایک بار پھر انگریزوں نے علاقے میں امن و امان قائم کیا۔ جنگ عظیم میں اتحادیوں کی فتح سے ایران کی جان تو چھوٹ گئی مگر بر سر پیکار قوتوں کی بار بار فوج کشی کے نتیجہ میں یہ ملک تباہی و بربادی سے ہمکنار ہو گیا۔

عہد قاچاری میں اسلامی تحریکوں کا احیاء

گزشتہ صفحات میں سیاسی اور انتظامی حالات کچھ زیادہ ہی تفصیل سے پیش کئے گئے۔ ایک تو یہ ایران کے ماضی قریب کے تاریخی واقعات ہیں جن کو سمجھے بغیر ایران کے ذہن و فکر کا ادراک کچھ مشکل ہے۔ علاوہ بریں یہ حالات وہاں کی تہذیب و تمدن کے اہم ارتقائی دور سے متعلق ہیں جس کو سمجھے بغیر قارئین ایران پر اسلام کے حالیہ اثرات کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتے۔ اب ہم خالصتاً مذہبی اور فکری نوعیت کے امور کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

اولاً : قاچاری دور ایران میں عمومی طور پر بے چینی' مایوسی اور پریشانی کا دور

تھا۔ مایوس عوام حالت یاس و فقر میں مذہب ہی کی جانب دیکھتے تھے اور اپنی مدد کے لئے خدا کو پکارتے تھے۔ ایران کا یہ دور یورپ کے عہد بیداری (Renaissance) سے مماثلت رکھتا ہے' جہاں تاریک دور سے روشنی کی طرف سفر ہوتا ہے۔ ابھی تک ایران پر مذہبی علماء اور مجتہدین کا گہرا اثر و نفوذ قائم تھا بلکہ ان کی سماجی حیثیت مزید مستحکم ہو چکی تھی۔ صفوی دور کے غیر ملکی شیعہ علماء کی بجائے اب ایرانی علماء کے اقتدار کا دور دورہ تھا۔ ان کا مقصد اب صفوی طرز کی شیعیت کی تبلیغ ہی نہیں بلکہ ایک مایوس قوم کی سچی رہنمائی کرنا بھی تھا۔ ابتدائی عہد یاس والم میں جب علماء ابھی تک سرگرم نہیں ہوئے تھے اور ابھی سیاسی امور کی بابت اپنی رہنمائی سے لاتعلق تھے تو ایرانی عوام امام غائب کے ممکنہ ظہور کی جانب اپنی نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ اس عقیدے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بابیت اور بہائیت کی ترویج ہوئی اور ان لوگوں کی کامیابی کے پس منظر مایوس اور تاریک حالات میں عوام کا قنوطیت اور امید کا جذبہ تھا۔ طاہرہ قراۃ العین کی صورت میں ہم آزادی نسواں کی متحرک اور جاندار مگر ایک گمراہ کن صورت بھی دیکھتے ہیں۔

ثانیاً : شاہی استبداد سے نجات کے لئے عوام ایک عرصۂ دراز سے روز مکافات کے منتظر تھے' ایک بار پھر وہ اُمید بھری نظروں سے خدا کی جانب دیکھ رہے تھے۔ انہی حالات میں خدا اور بندے کے تعلقات کا نیا رخ پیش کرتے ہوئے سید جمال الدین اسد آبادی (افغانی) نے جدوجہد اور تحرک کے لئے اسلام کا روشن پہلو اجاگر کیا اور اپنی انتھک مساعی سے عوام کو میدان عمل میں لے آئے۔ لوگوں نے جان و مال کی قربانیاں دیں اور پھر یہ ثابت ہو گیا کہ مذہبی فتویٰ آنے کے بعد عوام کے دلوں میں جوش و جذبہ کئی گنا بڑھ سکتا ہے۔ ہر چند کہ حضرت آیت اللہ حسن شیرازی کا فتویٰ من گھڑت ہی سہی' اس کے نتیجہ سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد ایرانی سیاست پر مذہب کی گہری چھاپ پڑ گئی تھی اور علماء و مجتہدین کو واضح طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اب مزید مصلحت سے کام لینے کی بجائے اعلیٰ عوامی قیادت کی اہلیت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ احمد شاہ کے زمانہ میں انگریزوں اور روسیوں کی درآمدات کا بائیکاٹ کرنے کے لئے بھی علماء کے فتویٰ نے اہم رول ادا کیا۔ یہی اسلوب بعد میں گاندھی نے اپنی تحریک ترک موالات میں اپنایا اور

علماء کی تائید کے لئے اپنی تحریک کو تحریک خلافت سے وابستہ کرلیا۔ سید جمال الدین نے جس نہج پر ایرانی قوم کو ڈالا وہ بعد میں اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

ثالثاً : ہرچند کہ علماء کی اکثریت روایتی امور کی انجام دہی میں مشغول رہی مگر کچھ باہمت علماء مرد میدان بھی ثابت ہوئے۔ جن علماء نے شاہ کا ساتھ دیا انہیں منہ کی کھانا پڑی تھی۔ یہ چیز ہم تمباکو کی تحریک کے موقع پر مسجد شاہ کے امام جمعہ کی عوام کے ہاتھوں بننے والی درگت میں دیکھتے ہیں۔ اسی طرح علماء کرام نے تحریک مشروطیت میں اہم کردار ادا کیا اور مجلس (پارلیمنٹ) میں بھی حق گوئی کے ریکارڈ قائم کئے اور پھر وقت پڑنے پر اپنی جان کی قربانیاں بھی دیں۔ ان واقعات نے علماء و مجتہدین میں بے پناہ اعتماد پیدا کیا' ان کا مطالعہ وسیع ہوا' وہ عوام کے مسائل اور خارجی و داخلی حالات سے آگاہ ہوئے۔ اس طرح وہ محراب و خانقاہ سے باہر نکل کر میدان عمل میں اتر آئے۔

رابعاً : اسی دور میں عوام کی اسلام سے گہری وابستگی اور ان کی فطری سادگی کا علم ہوتا ہے۔ جرمنوں نے انگریزوں اور روسیوں کے خلاف (پہلی جنگ عظیم میں) یہ عجیب و غریب پراپیگنڈہ کیا تھا کہ پوری جرمن قوم مسلمان ہو چکی ہے۔ اس طرح جرمنوں کے زیر اثر ایرانی روسیوں اور انگریز سفارتکاروں پر انہیں عیسائی سمجھتے ہوئے پل پڑے۔ عوام کو بادشاہوں نے بیرونی دنیا کے حالات سے قطعاً بے خبر رکھا ہوا تھا اور ایرانی قوم تاریخ کی بدترین جہالت کے دور سے گزر رہی تھی۔ سید جمال الدین اور دیگر لوگوں نے بیرون ملک سے جو تحریری مواد ایران بھجوانا شروع کیا تھا اس نے قومی بیداری کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کیا۔ انقلاب جمہوریت کے بعد نوے کے قریب اخبارات اور مجلات ایران میں چھپنا شروع ہوئے۔ عوام کو خارجی حالات اور اپنے مسائل اور ان کے حل سے آگاہی نصیب ہوئی۔

خامساً : مذہبی مقامات کو سیاسی مراکز کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ ہر مشکل وقت میں لوگ بڑی تعداد میں درگاہ حضرت عبدالعظیم' تہران کی مسجد شاہ' قم میں مزار حضرت معصومہ اور دیگر مذہبی مراکز میں دھرنا مار کر مظاہرے کرنے لگے۔ اسی طرح علماء کے گھر اور خانقاہیں مظلوم عوام کی پناہ گاہوں میں تبدیل ہو گئیں۔ یہ سلسلہ بعد کے ادوار میں بھی

جاری رہا۔

سادساً : شاہی دربار کا رعب اور ہیبت ختم ہونے لگا اور بادشاہوں کا روایتی دبدبہ اور ولولہ مشکوک ہو تا گیا۔ ناصرالدین قاچار جیسا طویل المدت بادشاہ سید جمال الدین کے ایک مرید کے ہاتھوں مارا گیا۔ محمد علی قاچار مجلس کے ہاتھوں معزول ہوا۔ ایران میں شاہ کی ذات جو خدا کا عکس سمجھی جاتی تھی وہ اس دیومالائی مقام سے محروم ہوتی چلی گئی اور عوام میں بادشاہت 'شاہی افواج اور دیگر ایجنسیوں سے ٹکرانے کا عزم اور حوصلہ پیدا ہو گیا۔

سابعاً : اس دور میں کچھ علماء شاہ کے بدستور وفادار اور روایتی تصورات کے امین بھی بنے رہے۔ ان کی وجہ سے آزادی کی تحریکوں کو کئی بار نقصان بھی پہنچا۔ علماء نے مجلس پر دباؤ ڈالا کہ عورتوں کو ووٹ کا حق نہ دیا جائے۔ شیخ فضل اللہ جیسے عالم نے مجلس (پارلیمنٹ) کی جانب سے پیش کردہ اصلاحات کی مخالفت کی۔ اسی طرح پریس کی آزادی کی بھی مخالفت کی گئی۔ شیخ فضل اللہ کے بقول پریس کی آزادی سے مخرب اخلاق لٹریچر عام ہو جائے گا اور ولٹیر جیسے فرانسیسی مصنف کی رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی سے پُر کتب بھی چھپ جائیں گی۔ مجلس کے لوگ ہمارے مذہبی فنڈ ریلوے اور کارخانوں کی تنصیب میں خرچ کریں گے۔ یہ لوگ ایسی آزادیاں دینا چاہتے ہیں جن کی رُو سے دنیا کے تمام لوگ برابر ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کی بیویاں بھی تبدیل کر سکیں گے۔ یہ آزادی' مساوات اور اخوت زندہ باد تو کہتے ہیں' یہ لوگ آخر کیوں اسلام اور قرآن زندہ باد کا نعرہ نہیں لگاتے؟ افراسیابی اور دہقانی کی کتاب "طالقانی اور تاریخ" کے مندرجات کے مطابق ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ آئینی انقلاب کے پیچھے بہائیوں کا ہاتھ ہے جو آزادانہ طور پر اپنے کافرانہ عقائد کی ترویج کرنا چاہتے ہیں۔

علماء کے اس موقف سے شہ پاکر اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے جاگیردار اور قبائلی سردار بھی بادشاہ کی حمایت اور پارلیمنٹ کی مخالفت میں اتر آئے۔ ان تمام استحصالی طبقوں کے اتحاد کے باعث آئین کی دھجیاں اڑائی گئیں۔ روسی اور برطانوی استعمار نے ایران پر اپنے دانت گاڑ دیئے اور عوام الناس شاہی جبر و استبداد کا شکار ہو کر رہ گئے۔

امام شامل رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ حکومت

اظہار احمد قریشی

پہلے امام غازی محمد صاحب عملی جہاد اور تبلیغ میں اس قدر مصروف رہے کہ انہوں نے باقاعدہ حکمرانی نہیں کی۔ دوسرے امام حمزہ بیگ کے ہاں حکمرانی کا آغاز ہوا۔ ہوتے ہوتے تیسرے امام حضرت شامل صاحب ۱۸۵۵ء کے لگ بھگ پورے اور باقاعدہ حکمران بن گئے۔ ان کا اندازِ حکمرانی اور طرزِ حکومت پیش کیا جاتا ہے۔

انتظامی ڈھانچہ

سارے انتظامی ڈھانچے کی چوٹی پر حضرت امام شامل تھے۔ ان کے پاس تمام دنیوی اور مذہبی اختیارات تھے۔ وہ اپنے لئے امیرالمومنین کا لقب استعمال کرتے تھے۔ اصولی طور پر امام صاحب کے اختیارات شریعت کے دائرے تک محدود تھے۔ وہ شریعت کے احکام کی وضاحت کرنے والے بھی سب سے بڑے خود ہی تھے۔

حضرت امام صاحب چیف جسٹس بھی تھے۔ انہوں نے ہفتہ کے دو دن لوگوں کی شکایات سننے کے لئے وقف کئے ہوئے تھے۔ فیصلے اکثر اوقات موقع پر ہی کر دیئے جاتے تھے۔ جب ضروری ہوتا تو امام صاحب متعلقہ افسر یا آبادی کو خط لکھ دیتے کہ فیصلہ پر عمل درآمد کرائیں۔ کسی افسر کے خلاف شکایت حق پر مبنی ہوتی تو اس افسر کی سرزنش کی جاتی اور اسے ہدایت کی جاتی کہ وہ شکایت رفع کرے۔

امام صاحب کی سیاسی، انتظامی، مذہبی اور عدالتی مصروفیات میں مدد کیلئے ۱۸۴۲ء میں ایک دیوان بنایا گیا۔ اس میں امام صاحب کے چند معتمد ترین اشخاص تھے۔ دیوان میں باہمی مشاورت اور بلند ترین سطح کے فیصلے ہوتے تھے۔ اس سے امام صاحب پر سے روز مرہ کی مصروفیات کا بوجھ کم ہو گیا۔

فوجی انتظامیہ کی ریڑھ کی ہڈی نائب حضرات تھے۔ ان کا تقرر امام صاحب کسی خاص علاقہ یا خاص آبادی یا بعض اوقات متعدد خاص آبادیوں پر کرتے تھے۔ ہر آبادی کو امام صاحب نائب کی تقرری سے مطلع کرتے تھے۔ ۱۸۴۰ء میں چار نائب تھے جبکہ ۱۸۵۶ء میں ان کی تعداد ۳۳ تھی۔

نائب حضرات کو تفویض کردہ اختیارات اور ان کے ماتحت علاقہ کی وسعت کا معاملہ مختلف نائبوں کے لئے مختلف ہوتا۔ عام طور پر ایک نائب اپنے تحت علاقہ کا پورا انتظام سنبھالتا تھا۔ امن و امان اس کی ذمہ داری تھی۔ خاص طور پر نائب کے ذمہ ٹیکس جمع کرنا' شرعی عدالتوں کے فیصلوں پر عمل درآمد کرانا اور اپنے ماتحتوں پر امام صاحب کے فوجی اور انتظامی قوانین کے مطابق نگرانی جیسے فرائض ہوتے تھے۔ سب سے اہم یہ کہ نائب اپنے علاقے کا فوجی کمانڈر ہوتا تھا جو اپنے لوگوں کو میدان جنگ میں لے جاتا تھا۔ چنانچہ وہ لوگوں کو تیاری کی حالت میں رکھنے کا ذمہ دار تھا۔ نائب کے ماتحت دیبیر (Dibirs) اور معظوم ہوتے تھے جو نائب کے علاقے کے مختلف حصوں کا انتظام کرتے تھے۔ ان کے تحت گاؤں کے بزرگ ہوتے تھے۔ معظوم حضرات ایک سو آدمیوں کو کنٹرول کرتے تھے جبکہ نائب کے تحت کئی سو (عام طور پر ۵۰۰ آدمی) ہوتے تھے۔

جب انتظامیہ زیادہ پیچیدہ ہو گئی اور کنٹرول مشکل ہو گیا تو امام صاحب نے تجربہ کیا کہ نائبوں کو مختلف درجات میں رکھا جائے۔ آخر کار ۱۸۴۵ء کے بعد مدیر کا عہدہ قائم کیا گیا۔ مدیر متعدد نائبوں کے اعمال کی نگرانی کرتا تھا اور ان نائبوں کو یا ان نائبوں کے آدمیوں کو جنگ میں لے جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مدیر وہ تمام کام اپنی جائے رہائش کی آبادی میں انجام دیتا تھا جو کہ ایک نائب کرتا تھا اور جو امام صاحب اپنی رہائش کی آبادی میں کرتے تھے۔ نائبوں اور مدیروں پر کنٹرول کرنے' ان کی رپورٹوں کو چیک کرنے اور آزاد اطلاعات حاصل کرنے کے لئے امام صاحب کے پاس محاسب حضرات تھے جو اپنی شخصیت اور اپنا عہدہ ظاہر کئے بغیر دورے کرتے تھے اور امام صاحب کو ان کے افسران کی حرکات سے باخبر رکھتے تھے۔ بعض اوقات چند نائبوں کی کارگزاریوں کی کھلے طور پر چیکنگ کی جاتی تھی۔ ایسے لوگوں کو امام صاحب پیشگی اطلاع کر دیتے تھے۔

امام صاحب اور ان کے سینئر افسران کے درمیان خط و کتابت خصوصی تیز رفتار پوسٹل سروس سے ہوتی تھی۔ ان پیغامبروں کے لئے ہر جگہ حکم تھا کہ ان کو تازہ دم گھوڑے دیئے جائیں اور کھانا اور سونے کی جگہ دی جائے۔ اس طرح ہر رپورٹ یا حکم بعید ترین مقام پر بھی دو یا تین دن میں پہنچ سکتا تھا۔

نائبوں کو شریعت کے مطابق سزا دینے کا اختیار نہیں تھا بلکہ انہیں اس سے منع کر دیا گیا تھا۔ ان معاملات کے لئے ہر نائب کے پاس ایک مفتی اور چند قاضی ہوتے تھے۔ ہر قاضی کے ذمہ ایک مسجد اور ملحقہ آبادی تھی۔ قاضی کو شریعت کے مطابق فیصلے کرنے ہوتے تھے' مسجد میں نماز پڑھانی ہوتی تھی' خطبہ دینا ہوتا تھا اور عمومی طور پر بستی کے لوگوں کو شریعت کے مطابق چلانے کے کام

کرنے ہوتے تھے۔ ہر مفتی اپنے نائب جتنے علاقے کا ذمہ دار تھا۔ مفتی کو قاضی نامزد کرتے ہوتے تھے اور ان کی کارگزاری پر نگاہ رکھنی ہوتی تھی اور ان کے فیصلوں پر تنقیدی نگاہ ڈالنی ہوتی تھی۔ ان کے سوالات کے جواب دینا ہوتے تھے اور کسی معاملے میں لوگ مفتی کی جانب رجوع کریں تو مفتی کو فیصلہ دینا ہوتا تھا۔ یہ بھی مفتی کا فرض تھا کہ وہ شریعت سے ہٹ کر کوئی کام ہو تو اس کو از خود یا نائب کو اطلاع دے کر اس کی معرفت صحیح کروائے۔

مفتی اور قاضی اپنے اعمال میں امام صاحب کی ہدایات اور شریعت کے بارے میں امام صاحب کی وضاحتوں کے پابند تھے۔ مفتی اور نائب کا باہمی تعلق یعنی ایک دوسرے کے مقابل پوزیشن مکمل واضح نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جزوی طور پر آزاد تھے۔ اس سے بعض مواقع پر مفتی صاحبان اپنے نائبوں کی مخالفت کر سکتے تھے۔ اس صورت حال میں امام صاحب کو موقع مل جاتا تھا کہ وہ دونوں کی حرکات پر نگاہ رکھ سکیں اور صورت حال کے تقابلی مطالعہ سے صحیح معلومات حاصل کر سکیں۔

فوجی انتظامات

بہت ہی کم لوگ فوجی خدمات سے مستثنیٰ تھے۔ چند گاؤں کے لوگ بڑی ضروری اقتصادی مصروفیات کے سبب لڑائی میں شامل نہیں ہوتے تھے۔ یہ لوگ نمک اور شورا بناتے تھے۔ باقی تقریباً سب مرد جنگجو تھے اور لڑائی کے لئے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ امام صاحب کے پاس آغاز ہی سے ایک تیار، سریع الحرکت فوج تھی۔ امام صاحب نے ان لوگوں کا ڈسپلن بہتر بنانے اور ان کے ہتھیار اور دیگر سامان مع خوراک کے معیار مقرر کرنے کی کوشش کی۔ امام صاحب کے احکام کے مطابق نائب حضرات اور دوسرے کمانڈر اس بات کو یقینی بناتے تھے کہ ۱۵ اور ۵۰ سال کی عمر کے درمیان سب مردوں کے پاس گولہ بارود اور خوراک کی ایک مقررہ مقدار اور ضرورت کا دوسرا سامان اور کپڑے موجود ہوں۔ جنہیں گھوڑا میسر تھا انہیں گھوڑے پر لڑائی لڑنی ہوتی تھی۔ نائب حضرات کا فرض تھا کہ ان گھوڑوں کی صحت کی خوب دیکھ بھال ہو۔

یہ جنگجو امام صاحب کی فوج کی اکثریت تھے۔ کسی مہم کے ملحقہ علاقے میں ہر مرد فوجی ڈیوٹی پر آ جاتا تھا۔ دوسرے علاقوں سے یہ کوٹے کے مطابق بلائے جاتے تھے۔ یہ کوٹا ہر مہم کے لئے امام صاحب مقرر کرتے تھے، جو مردوں کی تعداد فی گھریا فی ڈیرہ کے حساب سے مقرر ہوتا تھا۔ اس قسم کی فوج کے چند بالکل ظاہر نقصانات ہوتے ہیں۔ باقاعدہ ڈسپلن کی کمی، لڑائی کے وقت مستقل مزاجی میں کمی، لوگوں کا اپنے گھروں سے دُور جا کر لڑنے کے جذبہ میں کمی، فصلوں کے موسم میں ان لوگوں کی

کمیابی یا نایابی۔ سب سے اہم بات یہ کہ ان لوگوں کی وفاداریاں زیادہ تر اپنے قبیلہ کے لئے تھیں نہ کہ امام صاحب یا مشترکہ مفاد کے لئے۔ چنانچہ مستقل فوج کی ضرورت آغاز سے ہی محسوس کی جا رہی تھی۔

پہلے دو اماموں کے پاس ایک مستقل مرکزی دستہ تھا جس میں چند سو جاں نثار لوگ تھے جو ہر جگہ ان کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کو امام شامل نے منظم کیا اور وہ ان کو نائبی مرید کہتے تھے تاکہ یہ لوگ صوفی مرید یعنی طریقت کے مرید سے ممتاز رہیں۔ امام شامل کے بیٹے کی گواہی کے مطابق ان نائبی مریدوں کی تعداد قریباً چار سو تھی۔ ان میں سے ایک گروپ ۱۲۰ نائبی مرید معہ ۱۲ کمانڈرز' جو دس دس پر ہوتے تھے' پر مشتمل ہوتا۔ یہ لوگ امام صاحب کے باڈی گارڈ تھے۔ باقی لوگ نائبوں اور مدیروں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ ان نائبوں اور مدیروں کے لئے مرید باڈی گارڈ بھی ہوتے تھے اور قابل بھروسہ ملازم بھی' جن کو خصوصی اہم کاموں پر بھیجا جاتا تھا۔

نائبی مرید صاحبان نڈر ہونے کے سبب بڑے مشہور تھے۔ یہ مکمل وفادار تھے اور امام صاحب اور اپنے نائبوں کی کامل اطاعت کرتے تھے اور اس میں اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ان مرید صاحبان کا اگرچہ کوئی خاص عزت کا مقام نہیں ہوتا تھا لیکن ان کا رُعب بہت تھا۔ ان کا کل خرچ' اسلحہ' گھوڑے' کپڑے اور گھر کا خرچ امام صاحب' نائب اور مدیر دیتے تھے۔

یہ مرید کتنے بھی پر رعب ہوتے تھے لیکن ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ امام شامل صاحب نے ۱۸۳۰ء کی دہائی میں ہی اس سے بڑی باقاعدہ فوج کی بنیادیں رکھنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ ۱۸۴۰ء کی دہائی کے آغاز میں ہر دس گھروں کے ذمہ یہ لگایا گیا تھا کہ وہ ایک گھوڑ سوار مہیا کرے۔ یہ گھوڑ سوار "مرتزق" کہلاتے تھے۔ یہ ہر دوسرے کام سے آزاد ہوتے تھے۔ ان کا اور ان کے گھر والوں کا کل خرچ اور ان کے کھیتوں اور جانوروں کی دیکھ بھال بقایا نو گھرانوں کے ذمہ تھی۔ "مرتزق" لوگ دل و جان سے فوجی خدمات بشمول پہریداری' دورے اور دشمن کے لئے جال بچھانے کے کام اپنے گاؤں سے ملحقہ علاقے میں انجام دیتے تھے۔ یہ "مرتزق" الگ الگ یونٹوں میں ہوتے تھے اور الگ الگ ہی لڑتے تھے۔

"مرتزق" لوگوں کی وجہ سے متعدد مسائل کا بہت اچھا حل نکل آیا۔ اس سے ایک بڑی اور ہمہ وقت تیار قوت فراہم ہو گئی جس سے روسیوں سے یا اندرونی باغیوں سے لڑا جا سکتا تھا اور مجاہدین کے خزانہ پر بار نہیں پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ ایسے لوگوں کی بھی بڑی تعداد وجود میں آگئی جن کو امام صاحب کی حکومت سے فائدے تھے اور وہ امام صاحب کی حکومت سے بندھے رہے۔

خواہشمند تھے۔ چنانچہ ان لوگوں پر اپنے اپنے دیہات کے لوگوں کو کنٹرول کرنے کے لئے اعتماد کیا جا سکتا تھا۔

اس گھوڑ سوار فوج کے علاوہ امام صاحب نے باقاعدہ پیدل فوج بھی بنائی۔ یہ غالباً ۱۸۴۵ء کے لگ بھگ ہوا۔ اس پیدل فوج کے بارے میں دستاویزات سے بہت کم معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کو "نظام" کہتے تھے' یہ نام "نظام الجدید" سے اخذ کیا گیا جو سلطنت عثمانیہ اور محمد علی کے ہاں استعمال ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "نظام" امام شامل کی رہائش کے ملحقہ ہی ہوتے تھے اور مکمل طور پر امام صاحب کے ماتحت تھے۔ جبکہ "مرتزق" نائبوں کے ماتحت ہوتے تھے۔ "نظام" کو صرف ایک مرتبہ ہی روسیوں سے لڑایا گیا اور یہ مکمل شکست کھا گئے۔ اس کے باوجود اور روسیوں کی جانب سے ان کا مذاق اڑانے کے باوجود یہ "نظام" بڑے کار آمد ثابت ہوئے ہوں گے یا کم از کم انہوں نے امام صاحب کے احکام اپنے علاقے میں تسلیم کروانے میں بڑا کردار ادا کیا ہو گا۔

داغستان کے پہاڑی لوگ قدیم زمانے سے بارود بناتے تھے۔ امام شامل نے اپنی ضروریات کے لئے بارود بنانے کے تین کارخانے بنائے۔ ان میں سے ایک پانی کی طاقت سے چلتا تھا۔ پہاڑی لوگوں نے کچھ توپوں کے گولے اور کچھ بم بھی بنائے' لیکن یہ بہت گھٹیا قسم کے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہاڑوں میں سیسہ (lead) دستیاب نہیں تھا۔ چنانچہ اکثر شیل جو وہ استعمال کرتے تھے روسیوں سے قبضہ کئے ہوئے تھے۔ بعد میں امام صاحب نے راکٹ بنانے اور استعمال کرنے بھی شروع کر دیئے۔

۱۸۴۲ء میں امام صاحب نے اپنا توپ خانہ بھی بنانا شروع کر دیا جو انہوں نے ۱۸۴۹ء میں روسیوں کے خلاف استعمال کیا اور بڑی تباہی پھیلا دی۔ شروع میں توپ خانہ صرف روسی فوج سے چھینی ہوئی توپوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ بعد میں امام صاحب نے خود اپنی توپوں کی ڈھلائی شروع کر دی۔ لیکن ان کا معیار اچھا نہیں تھا۔ دونوں طریقوں سے امام صاحب نے چند درجن توپیں جمع کر لیں۔ روسی فوج کے بھگوڑوں نے امام صاحب کی توپوں کے استعمال کرنے اور مرمت وغیرہ کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا۔ امام صاحب نے توپ خانے کے استعمال کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ چنانچہ خاص خاص سڑکیں پختہ کی گئیں تاکہ توپیں تیز رفتاری سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائی جا سکیں۔

روسی لوگ پہاڑی لوگوں کے توپ خانہ کے ماہرانہ استعمال کی بہت تعریف کرتے تھے۔ ان توپوں کے نشانے بڑے صحیح ہوتے تھے اور خاص طور پر یہ بہت تیز رفتاری سے ادھر ادھر لے جائے

جاتی تھیں۔ روسیوں نے بہت زور لگایا کہ امام صاحب کی کوئی توپ لڑائی کے دوران قبضہ میں لے لیں۔ لیکن ان کی یہ کوششیں عام طور پر ناکام ہو جاتی تھیں۔ البتہ پہاڑی لوگوں نے توپ خانہ کم ہی استعمال کیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ امام صاحب نے اس زبردست ہتھیار کو مکمل طور پر اپنے قبضہ میں ہی رکھا۔ ان کے بس چند ایک ہی ماتحت افسران' عام طور پر مدیر حضرات کے پاس ایک ایک یا دو دو توپیں تھیں۔ باقی سب توپیں امام صاحب کی رہائش کے نزدیک رکھی جاتی تھیں۔

امام صاحب کے پاس چند انجینئر بھی تھے جو قلعہ بندیاں تعمیر کرتے' سڑکیں بناتے اور ضرورت پڑنے پر سڑکوں کو توڑتے بھی تھے۔ روسی بہت سخت حیران ہوئے کہ ان لوگوں نے ۴۹۔۱۸۴۷ء کے بڑے بڑے محاصروں کے دوران روسیوں کی سرنگیں بنانے کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔

اسی زمانے سے پہاڑی لوگوں کے اولین فوجی ہسپتال لوگوں کے علم میں آئے۔ پہلی دفعہ خصوصی مقامات مقرر کئے گئے کہ وہاں زخمیوں کا علاج کیا جائے گا۔ ان لوگوں کا علاج رواجی طریقوں کے مطابق تھا۔ اس طریق علاج کے متعلق روسی لوگ کہتے تھے کہ یہ اس وقت کی یورپین دواؤں سے کہیں زیادہ اثر کرتا تھا۔

زیادہ ہمرنگی اور زیادہ ڈسپلن کی خاطر امام صاحب نے خاص رنگوں کے کپڑے اپنی باقاعدہ فوج اور اسی طرح اپنے تمام کمانڈروں اور افسروں کے لئے رائج کئے۔ کمانڈروں اور لڑائی میں بہادری دکھانے والوں کے لئے امتیازی نشان رکھے گئے۔ یہ ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ کیا گیا۔ اسی طرح شرم دلانے کے لئے خصوصی نشان رکھے گئے جو بزدلوں کے لباس میں شامل ہوتے تھے۔ اسی طرح ڈسپلن کی خلاف ورزی یا فوجی قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے سزائیں مقرر تھیں۔

مالی معاملات

خزانہ یعنی بیت المال امام شامل صاحب کا شروع کیا ہوا نہیں تھا' یہ انہیں سابقہ اماموں سے ملا تھا۔ البتہ امام شامل کے تحت مالی معاملات منظم کئے گئے۔ مختلف مدات سے مندرجہ ذیل آمدنی ہوتی تھی۔

۱۔ ٹیکسوں سے : دو سب سے بڑے ٹیکس شرعی خراج یعنی زمین کا ٹیکس اور زکوۃ تھے۔ شرعی خراج صرف چند گاؤں پر لگایا گیا تھا جو یہ ٹیکس اس سے قبل جاگیرداروں کو چراگاہ کی زمین پر دیا کرتے تھے۔ یہ ٹیکس نقدی کی صورت میں ہوتا تھا۔ زکوۃ نقدی اور جنس دونوں صورتوں میں وصول کی جاتی تھی۔ امام شامل کے خزانچی کے

بیان کے مطابق کم سے کم سالانہ آمدنی خراج سے ۴۵۰۰ چاندی کے روبل اور زکوٰۃ سے ۳۲۰۰ چاندی کے روبل، ۳۲۰۰ بھیڑیں اور ۵۲۳۱۰۲ پیمانے اناج کے ہوتے تھے۔ لیکن عام طور پر یہ تعداد اس سے زیادہ بلکہ دوگنی تک ہوتی تھی۔ جو سات گاؤں فوجی خدمات سے مستثنیٰ تھے وہ نمک اور شورے کا مقررہ مقدار کا کوٹا خزانہ کو دیتے تھے اور اپنا سارا بقایا مال امام صاحب کو مقررہ قیمت پر دینے کے پابند تھے۔

بعض اوقات امام صاحب خصوصی غیر معمولی ٹیکس نافذ کرتے تھے جو کسی خاص مہم کے لئے خوراک کی ضرورت کی بناء پر ہوتا تھا۔ یہ خصوصی ٹیکس ۱۸۴۰ء کے عشرے کے اخیر اور ۱۸۵۰ء کے عشرے کے آغاز میں بار بار لگے اور لوگ ان سے بہت نالاں ہو گئے۔

۲۔ خمس : مال غنیمت کا پانچواں حصہ جو شریعت کے مطابق حکمران کا حصہ ہوتا تھا۔ یہ غالباً آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔ اس پانچویں حصہ میں ہر چیز شامل ہوتی تھی۔ سامان، جانور، قیدی اور قیدیوں کا زر فدیہ۔ ۱۸۵۲ء کی مثال لیجئے، اس سال خزانہ کو خمس کی آمدنی ۱۵۲۳۰ چاندی کے روبل ہوئی۔

۳۔ لوگوں سے وصول شدہ تمام جرمانے خزانے میں جاتے تھے۔ جو لوگ وارث چھوڑے بغیر انتقال کر جاتے ان کی جائیداد خزانے میں داخل ہو جاتی تھی۔

۴۔ اوقاف کی زمینوں کی کل آمدنی جو مساجد اور اماموں پر خرچ ہوا کرتی تھی اب خزانے میں جانے لگی۔

۵۔ ایک خاص ذریعہ یہ تھا کہ ہر گھر سے چاندی کے تین روبل سالانہ لئے جاتے تھے۔ یہ رقم امام شامل کے کہنے کے مطابق ان کے ذاتی اخراجات پر صرف ہوتی تھی۔

امام صاحب اپنے اخراجات میں مقدور بھر شریعت کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ کوشش کی جاتی تھی کہ ہر ذریعہ سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ عام طور پر شریعت کی مقرر کردہ مدات پر ہی صرف ہو۔ ہر ذریعہ آمدنی کا الگ الگ حساب رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ انتظامی معاملات سے آمدنی یعنی جرمانے، وراثت، ضبطیاں یا ان کا کچھ حصہ مساجد اور علماء پر خرچ ہوتا تھا۔ ٹیکسوں سے ہونے والی آمدنی کا کچھ حصہ نائبوں کے اختیار میں ہوتا تھا کہ اسے وہ اپنے اور اپنے مریدوں کی

ضروریات پر خرچ کریں۔ اس بات کا فیصلہ امام صاحب کرتے تھے کہ ٹیکسوں کی آمدنی کا کتنا حصہ نائبوں کی صوابدید پر رہے' اگرچہ نائب حضرات کو آمدنی کے دیگر ذرائع بھی میسر تھے۔

خمس کا پانچواں حصہ سیدوں کے لئے مخصوص تھا' جو ان ۷۲ مردوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جاتا تھا جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اولاد میں سے ہیں۔ باقی ۴/۵ حصہ کے اخراجات میں کچھ ردوبدل کیا گیا اگرچہ کوشش کی گئی کہ یہ خرچ خیراتی اور فوجی ہی رہیں۔ خمس کا بڑا حصہ روسی فوج سے بھگوڑے ہو کر آنے والوں کی ضروریات پر صرف ہوتا تھا۔

امام شامل کے بیان کے برعکس کہ زکوٰۃ کا مصرف مکمل طور پر علماء کے ہاتھ میں اور ان کی صوابدید پر تھا۔ امام صاحب خود بھی اس کام میں مصروف ہو جاتے تھے۔ اگرچہ زکوٰۃ کے شرعی مصارف میں سے کچھ دوسرے ذرائع سے پورے ہو جاتے تھے لیکن پوری کوشش کی جاتی تھی کہ زکوٰۃ کو خیراتی کاموں کے لئے وقف رکھا جائے۔ زکوٰۃ کے مصارف میں مہاجرین کی دیکھ بھال اور ان کی مدد کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ یہ وہ مسلمان تھے جو روسی علاقے سے بھاگ کر امام صاحب کے علاقے میں آباد ہو جاتے تھے۔

شریعت اور نظام

نقشبندیہ خالدیہ لوگوں کا اولین مقصد نفاذ شریعت تھا۔ چنانچہ امام شامل نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت قوت صرف کی۔ امام صاحب کی نافذ کردہ شریعت مقامی عادات و رسوم کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے نافذ کی گئی تھی اور اسی طرح بدعات کا صفایا بھی مقصود تھا' جو روسیوں کے ساتھ میل ملاپ کی وجہ سے رواج پا گئی تھیں۔ شریعت کا مطلب مسلمانوں کی کل زندگی گزارنے کا طریقہ بھی سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ سگریٹ اور شراب ممنوع تھیں۔ عورتوں کے لباس شریفانہ ہونے ضروری تھے۔ عورتوں کے لئے لازم تھا کہ وہ اپنے لباس کے نیچے لمبی شلوار پہنیں اور اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانپیں۔ ناچ اور گانے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ بہت کوششیں کی گئیں کہ تمام خونی دشمنیوں کا فیصلہ شریعت کے مطابق کر لیا جائے اور جو رواجی قوانین ان کے متعلق تھے ان کو ختم کر دیا جائے۔ عمومی اور بار بار دہرائے جانے والی ہدایات یہ تھیں کہ مذہبی اور انتظامی امور کے افسران سرعام شریعت کے احکام پر عمل کرائیں۔ چنانچہ سب مردوں کی جمعہ کی نماز میں شمولیت ہو اور سب لوگ روزے رکھیں۔

امام صاحب نے صرف شریعت ہی نافذ نہیں کی بلکہ مساجد میں روایتی سکول قائم کئے گئے' جہاں بچوں اور بڑوں کو اچھے مسلمان بننا سکھایا پڑھایا جاتا تھا۔ امام شامل اپنے ماتحت افسران کو بار بار

تاکید کرتے تھے کہ وہ آبادی کو مذہبی تعلیمات سے روشناس کرائیں' انہیں نماز پڑھنا اور قرآن مجید کو صحیح پڑھنا سکھائیں۔

امام شامل مانتے تھے کہ شریعت میں کچھ خلا ہیں اور کئی مقامات پر تشریح کی ضرورت ہے۔ امام صاحب خود عالم تھے اور ایک صوفی شیخ تھے اور ایسے ان کے ساتھ کئی ان کے ماتحت افسران میں تھے۔ چنانچہ امام شامل شریعت کے مقامات کی تشریح کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ ان معاملات میں اور دیگر انتظامی امور میں ان کی ہدایات اور ان کے بنائے ہوئے قواعد اصل میں قانون سازی ہوتی تھی اور "نظام" کہلاتی تھی۔ یہ سلطنت عثمانیہ کے ہاں رائج "قانون" کے ہم پلہ تھی۔

۱۸۴۰ء کی دہائی کے اختتام تک امام صاحب کے اس طرح کے قوانین کی صرف ایک نقل لوگوں کے علم میں تھی۔ اس سے روسی تاریخ دان ۱۸۴۷ء کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں کہ یہ "نظام" اس سال میں بنا۔ اس کے بعد نئی دستاویزات شائع ہوئیں جن میں "نظام" کی دوسری نقلیں بھی شائع ہوئیں۔ اس سے قطعی واضح ہے کہ "نظام" ۱۸۴۲ء میں بھی موجود تھا۔

"نظام" کے تحت جو مختلف قواعد تھے وہ مندرجہ ذیل قسموں پر مشتمل تھے :۔

سب سے زیادہ ہدایات انتظامی اور فوجی امور سے متعلق تھیں۔ ۱۸۴۲ء میں ہی نائب حضرات فوجی جرائم پر امام شامل کے جاری کردہ مجموعہ قوانین کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور غالباً یہ نام "نظام" آغاز میں صرف انہی امور کے متعلق تھا۔ ان قواعد میں مختلف افسروں اور کمانڈروں کے اختیارات اور ذمہ داریاں' ان کے آپس کے معاملات پر وضاحت' فوجی ڈسپلن کے امور کی وضاحت' فوجی چالیں اور مختلف سزاؤں کی تفصیل تھی۔ سزائیں جسمانی بھی ہوتی تھیں اور مالی بھی۔ لیکن بہت دفعہ ان قوانین کی خلاف ورزی پر عہدہ میں تنزل ہوتا تھا۔

قوانین کی دوسری قسم عام طور پر غیر مذہبی نوعیت کی تھی۔ جیسے بغیر اجازت جنگل کاٹنے اور روسیوں سے ملنے کی ممانعت' ٹفلس کے ٹکسال سے بنے ہوئے چھوٹے روسی سکول کو تسلیم کرنے کی ہدایت جن کو پہاڑی لوگوں نے استعمال کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

تیسری قسم کے قوانین وہ تھے جو شریعت یا شریعت کی مخصوص تشریح بیان کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ جو مقابل کی فوج ہتھیار ڈال دے اس کو جان کی امان دے دی جائے اور باقیوں کو قتل کر دیا جائے۔ اسی طرح شادی' طلاق' وراثت اور دلہنوں کے حق مہر جیسے قوانین بھی رائج کئے گئے تھے۔

عام طور پر امام شامل ایسی سزاؤں کے حق میں تھے جن سے مجرموں کی حوصلہ شکنی ہو' یا جرمانے یا دونوں۔ چنانچہ عام سزائیں کوڑے' جرمانے' قید اور عوام کے سامنے تذلیل ہوتی تھی۔

اس کی ایک اچھی مثال سگریٹ پینے اور ناچنے کی سزائیں ہیں۔ دونوں قسم کے مجرم قید کئے جانے سے پہلے گدھے پر سوار کرا کے بستی میں گھمائے جاتے تھے۔ ان کے منہ گدھے کی دم کی جانب ہوتے تھے۔ ایک کی ناک میں سموکنگ پائپ ہوتا تھا تو دوسرے کے منہ پر تارکول کا لیپ کیا ہوتا تھا۔

قید کی سزا کا بہت اثر ہوتا تھا اور یہ سزا بہت عام دی جاتی تھی۔ قیدی ایک چھوٹے گڑھے میں رکھا جاتا تھا جس کے اوپر ایک جھونپڑی ہوتی تھی۔ امام صاحب اور ان لوگوں کا' جنہیں اس میں رہنے کا تجربہ ہوا' کہنا یہ تھا کہ یہ قبر کی مانند ہے۔ اس کے علاوہ قیدی کو اپنے اور اپنے نگران چوکیداروں کے کھانے کا خرچ برداشت کرنا پڑتا تھا۔ ایسی قبر میں چند دن گزارنا سخت سے سخت مجرم کی ہمت کے جواب دینے کے لئے کافی تھا۔

آخری اور پانچویں قسم ان قوانین کی تھی جو شریعت تو نہیں تھی لیکن شریعت سے ہی اخذ کئے ہوتے تھے۔ ان کا مقصد اسلامی طرز زندگی کو مستحکم کرنا اور نافذ کرنا تھا۔ چنانچہ گانے کی ممانعت کے علاوہ تمام گانے بجانے کے آلات ممنوع قرار دیئے گئے۔ صرف ایک چھوٹا سا ڈھول مستثنیٰ رکھا گیا۔ اسی طرح شراب کو ممنوع کرنے کے علاوہ امام صاحب نے ایک ایسے علاقے کو انگوروں کی فروخت ممنوع قرار دے دی جنہیں شراب بنانی آتی تھی۔

اس قسم کے قوانین میں کچھ قوانین شادی سے متعلق تھے۔ چیچنیوں کے ہاں دلہن کا مہر بہت زیادہ رائج تھا' چنانچہ بہت زیادہ مرد اور عورتیں غیر شادی شدہ رہ جاتے تھے۔ امام صاحب نے کنواری لڑکی کا زیادہ سے زیادہ مہر ۲۰ چاندی کے روبل اور بیوہ یا طلاق شدہ عورت کا مہر دس چاندی کے روبل مقرر کر دیا۔ امام صاحب اس پر بھی مطمئن نہیں ہوئے اور وہ بار بار اپنے نائبوں کو ہدایت دیتے تھے کہ جو لڑکیاں بالغ ہو جائیں ان کی شادیاں کرا دی جائیں۔ اسی طرح بیوگان کی بھی شادیاں کرائی جائیں۔ امام صاحب کا مقصد اخلاق درست رکھنا تھا نہ کہ آبادی میں روز افزوں اضافہ' جیسا کہ روسیوں کا خیال تھا' اگرچہ آبادی میں اضافہ کی بھی امام صاحب کے نزدیک اہمیت تھی۔

ان تمام اقدامات کا آبادی پر بہت بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ ۴۳ - ۱۸۴۲ء کے دوران ہی روسی نامہ نگاروں نے یہ لکھا کہ پہاڑی لوگوں خصوصاً چیچنیوں کے رویہ اور اخلاق بہت بہتر ہو گئے ہیں۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

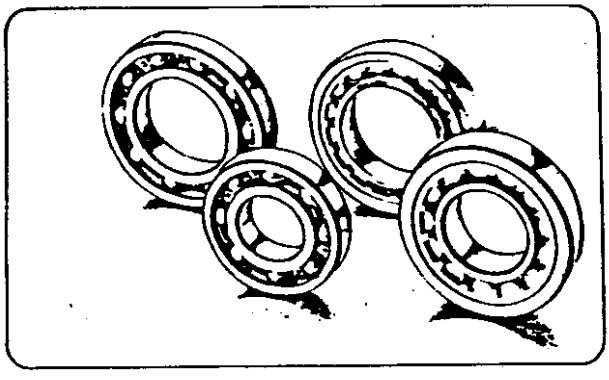

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 47 No. 9
Sep. 1998

FOTO SCAN PH;7234042-7111906